بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

محرم الحرام ۱۴۴۰ھ | ستمبر ۲۰۱۸ء | جلد نمبر ۴۲ شمارہ ۹

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے
سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
20 $ امریکی ڈالر 15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم	مولانا محمد ادریس بستوی	۳

احساسات

ہدیۂ تبریک	سفر حج وزیارت مبارک ہو	مبارک حسین مصباحی	۵

روحانیات

مطالۂ تصوف	روحانیت کا درست مفہوم	محمد آصف اقبال مدنی	۶

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۹

نظریات

فکر امروز	پیاسوں کو پانی پلائیں	حافظ محمد ہاشم قادری	۱۵

اسلامیات

شعاعیں	لاٹری فقہاے اسلام کی نظر میں	ریحان المصطفیٰ نظامی	۱۸

قرآنیات

علمی تحقیق	قرآن کے علمی وفنی محاسن	مولانا محمد فروغ القادری	۲۰
طرزِ تخاطب	یاایھاالناس	مفتی محمد علی قاضی	۲۴

شخصیات

فضائل ومناقب	قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے	مبارک حسین مصباحی	۲۶
نقوشِ محبت	مفتیِ اعظم ہند اور صدر الافاضل: باہمی ربط ومحبت کی چند مثالیں	مولانا غلام مصطفیٰ النعیمی	۳۰

بزمِ خواتین

حسنِ سلوک	اولاد کی تربیت میں عورت کا کردار	مولانا محسن رضا ضیائی	۳۴

بزمِ دانش

فکر ونظر	واقعۂ کربلا اور اس کے دینی وعصری مطالبات	مولانا محمد ساجد رضا مصباحی/ مولانا توفیق احسن برکاتی	۳۶

ادبیات

نقد ونظر	تین کتابوں پر تبصرے	تبصرہ نگار: م مولانا توفیق احسن برکاتی	۴۲
خیابانِ حرم	نعت ومنقبت	قمر بستوی/ اختر رضا قادری/ سعید رحمانی/ محمد شرف الدین مصباحی	۴۶

وفیات

سفر آخرت	آہ! امین شریعت مفتی عبد الواجد نیر القادری بھی نہیں رہے	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	۴۸

مکتوبات

صداے باز گشت	مولانا محمد عارف اللہ فیضی/ مریم ثقلینی/ محمد عبد المبین نعمانی/ وسیم فاروق اعظمی		۴۹

سرگرمیاں

عالمی خبریں	مسجد النور ہوسٹن، امریکہ میں حضور تاج الشریعہ کا تعزیتی جلسہ	محمد قاسم خان	۵۳
خیر وخبر	دار العلوم قادریہ رحمانیہ مدھوبنی میں ذکر امینِ شریعت کانفرنس/ ادارہ نشانِ اختر کے وفد نے جانشین مخدوم ثانی کو الفی قرآن پیش کیا		۵۵

اداریہ

تن ہمہ داغ داغ شد - پنبہ کجا کجا نہم

مولانا محمد ادریس بستوی

گذشتہ پوری صدی پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو جو بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ قومِ مسلم کی زبوں حالی، تباہی اور ہمہ جہت اس کا استیصال ہے۔ زندگی کے جتنے شعبے ہیں بلا استثنا ہر ایک میں مسلمان تباہی کی اس منزل پر پہنچ گیا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آج مسلمان قوم جس آزار کا شکار ہے اس کے علاج و تدارک کا کوئی طریقہ نہیں سوچا جا رہا ہے، البتہ روز بروز نئے آزار پیدا ہوتے جا رہے ہیں جس سے عالمِ اسلام کراہ رہا ہے۔

سعودی عرب اور ایران کے اختلاف سے ایک نیا میدان جنگ عالمِ وجود میں آ چکا ہے جو یمن کی دھرتی پر پورے شد و مد سے جاری ہے۔ یمن میں حوثی باغیوں نے جو کچھ کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جوابِ آں غزل کے طور پر سعودی حکومت نے یمن میں جس طرح مداخلت کی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ سعودی عرب کے حکمراں اور ایران کے رہنما اپنے اپنے ملک میں دادِ عیش دے رہے ہیں اور یمنی قوم بھوک اور افلاس کے سمندر میں غرق ہونے کے بالکل نزدیک پہنچ گئی ہے۔ دنیا کے دوسرے مسلم ملک اس مسئلہ پر زبان کھولنے سے گریز کر رہے ہیں اور مجلسِ اقوامِ متحدہ وہی کر رہی ہے جو عرصۂ دراز سے کرتی چلی آ رہی ہے۔ یمنی لوگوں کی تباہی و بربادی کے تدارک کی کوئی معقول تجویز کسی طرف سے سننے میں نہیں آتی ہے۔ اسی طرح امریکہ اور روس کے پنجۂ استبداد کو مزید قوت ملتی جا رہی ہے۔

ملک شام کے وسیع علاقہ پر روس اور امریکہ دونوں ہی بمباری کر رہے ہیں اور کبھی کبھی یہ اندوہناک خبر بھی آ جاتی ہے کہ شامی حکمراں اور داعش کے خونخوار کیمیائی اسلحہ کا استعمال عوام پر کر رہے ہیں، جس کے لیے اقوامِ متحدہ کی نگرانی میں جانچ کمیشن بٹھایا جاتا ہے جو بالآخر بالکل بے سود ثابت ہوتا ہے۔ ہر فریق دوسرے پر الزام لگا کر اپنے کو معصوم اور بے قصور ثابت کر دیتا ہے۔

فلسطین کی جو حالت ہے وہ انتہائی تشویش ناک ہے۔ آئے دن اسرائیلی درندے نہتے فلسطینیوں پر بمباری بھی کرتے ہیں اور ان کی آبادیوں کو اجاڑ کر نئی یہودی آبادیاں بساتے رہتے ہیں اور اس کے خلاف چند غیر موثر مذمتی بیانات کے سوا عملی طور پر کچھ نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ پورا عالمِ اسلام تباہ و برباد ہو رہا ہے اور دنیا کے ایک ارب سے زیادہ مسلمان بے بسی سے یہ سب کچھ برداشت کر رہے ہیں۔ برما سے قریب دس لاکھ مسلمان اجاڑ کر ملک بدر کر دیے گئے، جو آج بنگلہ دیش میں پناہ گزین کی حیثیت سے جانوروں سے بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ افغانستان اور پاکستان مسلمانوں کے مقتل بنے ہوئے ہیں اور سادہ لوح مسلمان محوِ حیرت ہے، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ان مصائب و آلام سے نجات کا راستہ کیا ہے۔

اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ان تمام حشر سامانیوں کا واحد سبب مسلمانوں کا باہمی اختلاف اور ایک دوسرے کی عداوت ہے۔ روے زمین پر پھیلے ہوئے پچاس مسلم ممالک کا جائزہ لیا جائے تو کسی مسئلہ میں دو مسلم ملک ایک رائے نظر نہیں آتے اور دشمن اسی کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ یہاں اگر تمام ممالک کی فہرست سامنے لائی جائے اور سوال کیا جائے کہ ان میں سے کون سے دو ملک ہیں جو مسلمانوں کے کسی اسلامی یا قومی مسئلہ پر باہم متحد ہیں تو بڑے سے بڑا دانش ور کسی مسئلہ پر ایسے دو ملک کو ایک رائے پر مجتمع نہیں دکھا سکتا۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو یہ کہنا کہ مسلمان پچاس ملکوں پر حکمرانی کر رہے ہیں اور ان کی مجموعی قوت بہت بڑی ہے، فقط خام خیالی ہے۔

جب تک مجموعی طور پر مسلمان متحد نہیں ہوں گے تباہ و برباد ہوتے رہیں گے اور ان کی مصیبت کا ازالہ نہ ہو سکے گا۔ اب مشکل

امر یہ ہے کہ دنیا کا مسلمان کیسے متحد ہو؟ اور کسی قومی مسئلہ پر سب کے سب متحد ہو کر کس طرح اپنی رائے کا اظہار کریں، یہ کام مذہبی رہ نماؤں کا ہے کہ وہ مسلم حکمرانوں کی کاسہ لیسی کرنے کے بجائے انھیں اسلامی اخوت اور قومی حمیت کا سبق پڑھائیں اور یہ بتائیں کہ اگر آپ نے اپنی روش نہیں بدلی تو آپ کی حالت خراب اور بالکل تباہ و برباد ہو جانے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

معدنی وسائل سے مالا مال عرب ممالک کا یہ حال ہے کہ وہ آج تک اپنے ملک کے مریضوں کے لیے قابلِ ذکر ہسپتال تک نہیں بنوا سکے اور کوئی ایسا مسلم ملک نظر نہیں آتا جس کے وہاں سے مریض ہندوستان، امریکہ اور برطانیہ میں بڑی تعداد میں علاج کے لیے بھیجے نہ جاتے ہوں۔ حد یہ ہے کہ پاکستان کے مریض اپنے علاج کے لیے ہندوستان کا رخ کرتے ہیں۔ دولت کی فراوانی کے باوجود بدانتظامی کا جب یہ حال ہے تو ملک کے تحفظ اور قومی وقار کے لیے یہ کیا کر پائیں گے۔

یمن کی خانہ جنگی میں جو لوگ ہلاک ہو گئے ان کے اہلِ خانہ پر کیا گزر رہی ہے، اس تعلق سے سب کا احساس مر چکا ہے۔ مگر جو لوگ جنگ زدہ یمن میں زخموں سے کراہ رہے ہیں وہاں ان کے علاج کا بھی کوئی مناسب انتظام نہیں ہے، وہ بھی اسی لادینی حکومت ہندوستان کے شفاخانوں میں علاج کے لیے بھیجے جا رہے ہیں۔

جو اعلیٰ رہنما رات دن ان مسلم ممالک کی قصیدہ خوانی کر کے اپنی نان شبینہ کا انتظام کرتے ہیں انھیں اپنے ایک ایک جملے کا احتساب کرنا چاہیے اور اگر اسلامی غیرت کا ایک فیصد حصہ بھی ان کے اندر ہے تو انھیں ان تمام حکمرانوں کو دعوت فکر دینا چاہیے۔ سعودی عرب کے بمبار جو بم حوثیوں پر برسا رہے ہیں وہ در اصل اسرائیلی درندوں پر برسانا چاہیے۔ حوثی جس طرح یمن کی جائز حکومت کے خلاف بغاوت کر کے ایک پر امن مسلم ملک کو تباہ کر رہے ہیں انھیں ایسا نہ کر کے اپنی پوری توانائی اس ناسور کے خلاف استعمال کرنی چاہیے جو عرب کی دھرتی پر بنامِ اسرائیل موجود ہے۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس دورِ تباہی میں نمازیوں کی تعداد بھرپور نظر آتی ہے اور کچھ سینٹروں کا تو یہ حال ہے کہ مسجدیں نمازیوں کی کثرت سے تنگ نظر آتی ہیں اور اس وقت بعض مساجد میں تین تین بار نمازِ جمعہ محض اس لیے ادا کی جاتی ہے کہ ایک ہی دفعہ سب کے نماز پڑھنے کی گنجائش وہاں نہیں ہے۔ روزہ داروں پر نگاہ ڈالیے تو لاکھوں روزہ دار ہر شہر میں مل جائیں گے، حاجیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ زکوٰۃ۔ فرمان رسول کے مطابق جلد ہی وہ دور آنے والا ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ ہاتھ میں لے کر در در بھٹکے گا مگر کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں سوچنا پڑتا ہے کہ پھر آخر اس کثرت سے کارِ عبادت ہونے کے باوجود مسلم قوم کیوں تباہ و برباد ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ کلمہ پڑھنے والا خود کو اسلامی اخوت اور وحدت کے دائرے سے باہر کر چکا ہے اور جب تک ان میں اتحادِ اسلامی کا جذبہ بیدار نہیں ہوگا اس وقت تک ان کے لیے تحفظ اور وقار کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی — ایک مسجد میں جہاں سیکڑوں لوگ ایک ہی جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، ان میں باہم کیسا نفاق اور ایک دوسرے سے کیسی نفرت ہے، اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے، پھر ایسی صفوں کے آراستہ کرنے سے کیا حاصل ہونے والا ہے۔ بلا شبہہ روزہ و نماز، حج و زکوٰۃ شعائرِ اسلام ہیں اور ان کی ادائیگی ایمان کی علامت ہے لیکن ہمیں ان کے مطالبات کو بھی سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ہوگا۔ مسجد میں امام کے پیچھے نماز کے اختتام پر جب ہم سلام پھیرتے ہیں تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ (یعنی تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو) ہر نمازی دیگر تمام نمازیوں کے لیے خدا کی بارگاہ میں یہی دعا کرتا ہے اور مسجد سے نکلنے کے بعد ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں سرگرم ہو جاتا ہے تو اس منافقت کا نقصان کس کو پہنچے گا؟ جو کچھ خدا کی بارگاہ میں کہہ کر نکل رہے ہو دنیاوی زندگی میں بھی اس پر عمل کرنا ہوگا تب اس کا فائدہ بھرپور طور پر ملے گا اور آج یہ چیز مفقود ہے تو ان کا فائدہ بھی معدوم ہے۔ ضرورت ہے...

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اتحادِ اسلامی - زندہ باد ——— مسلم اتحاد - پائندہ باد

ہدیۂ تبریک

حضرت سید شاہ محمد امان میاں قادری برکاتی کا اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ

سفر حج وزیارت مبارک ہو

مبارک حسین مصباحی

خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ہندوستان کی قدیم درگاہ ہے، اس خانقاہ میں ایک سے ایک علمی اور روحانی شخصیات گزری ہیں جن کے فیوض وبرکات کا روحانی چشمۂ فیض آج بھی اسی شان سے ابل رہا ہے۔ بڑے بڑے اکابر اہل سنت اس روحانی دربار کی غلامی پر ناز کرتے رہے ہیں۔

سابق سجادہ نشیں حضور احسن العلما قدس سرہ العزیز کے چار صاحب زادگان ہیں● امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ ● شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی● شہزادۂ احسن العلما سید محمد افضل قادری برکاتی اور● شہنشاہ طریقت حضرت سید شاہ نجیب حیدر قادری برکاتی نوری سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ۔ یہ تمام سادات کرام اپنے اپنے میدانوں میں انفرادی شان رکھتے ہیں۔

حضور امین ملت دامت برکاتہم العالیہ رشد وہدایت کے پیکر ہیں۔ آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر اور البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی [جامعہ البرکات] علی گڑھ کے بانی اور ذمہ دار ہیں۔ آپ کے مریدین ومتوسلین بھی ملک اور بیرون ملک بڑی لمبی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

استاذنا المکرم، سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے دعا دیتے ہوئے یہ خوش خبری سنائی کہ: مقام مسرت ہے کہ حضور امین ملت دامت برکاتہم العالیہ کی اہلیہ محترمہ ادام اللہ فضلہا ۲۸/ ذو قعدہ ۱۴۳۹ھ /۱۱/ اگست ۲۰۱۸ء حج وزیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئیں، ان کے ساتھ ان کے فرزند ارجمند خانقاہ قادریہ برکاتیہ کے ولی عہد، چشم وچراغ خاندان برکات حضرت سید شاہ محمد امان میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ بھی تشریف لے گئے ہیں۔ موصوف اعلیٰ عصری علوم کے ساتھ نام ور فاضل جامعہ اشرفیہ مبارک پور بھی ہیں۔ آپ نے فراغت کے بعد مارہرہ مطہرہ میں اپنے بزرگوں کی سرپرستی میں جامعہ احسن البرکات قائم فرمایا۔ اس کے بعد جامعۃ البرکات علی گڑھ میں البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (ABIRTI) بھی قائم کیا ہے جس میں فضلائے مدارس کے لیے اعلیٰ کورس کرائے جا رہے ہیں۔

امان ملت حضرت سید محمد امان میاں جب رخصت ہوئے تو اکابر مارہرہ کے مزارات پر حاضری کا شرف حاصل فرمایا اور یہ دو نفری قافلہ اپنے بزرگوں کے فیوض لے کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس وقت ہمیں خانقاہ قادریہ برکاتیہ کے نام ور مرید وخلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی یاد آرہے ہیں، انھوں نے اپنے سفر حرمین طیبین کے موقع پر عرض کیا تھا۔

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
مَن زار تربتي وجبت له شفاعتي
اُن پر درود جن سے نوید اِن بُشَر کی ہے
مجرم بلائے آئے ہیں جاؤك ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

حضرت سید شاہ محمد امان میاں قادری برکاتی دام ظلہ العالی فنون عصری اور علوم دینی سے کہیں زیادہ خانقاہی فکر ومزاج رکھتے ہیں، ان کے پہلو میں ایک حساس دل ہے، وہ خاندان مصطفیٰ ﷺ کے چشم وچراغ ہیں۔ حضرت غوث اعظم سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ کا روحانی سایۂ کرم ہمیشہ ان کے وجود پر چھایا رہتا ہے، یہ ان کی خوش بختی ہے کہ وہ اپنی محترمہ والدہ ماجدہ کے سچے خادم کی حیثیت سے اس مقدس سفر پر روانہ ہوئے ہیں۔ وہ ماں جو سیدہ زاہدہ ہیں، خاتون جنت سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہیں۔ یہ نورانی قافلہ جب بارگاہ رسول ﷺ میں حاضری کی سعادت حاصل کرے گا تو اس کے عشق ووارفتگی کا عالم کتنا کیف آگیں ہوگا۔ کسی عاشق رسول نے کتنی حق لگتی بات کہی ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ان کے حج کو حج مبرور بنائے اور ان کے نانا جان حضور ﷺ کی بارگاہ ناز میں ان کی حاضری قبول ہو جائے۔ اور جہان اہل سنت کے وہ تمام خوش نصیب حضرات جو اس بار حج وزیارت کے لیے تشریف لے گئے ہیں یا پہلے گئے، یا بعد میں جائیں ان کے سفر حج وزیارت کو بھی شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ آمین یا رب العالمین . بجاہ حبیبیك سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔☆☆☆

روحانیت کا درست مفہوم

محمد آصف اقبال مدنی

انسان جب مادیت بھری زندگی، اس کی کثافتوں اور الجھنوں سے تنگ آجاتا ہے اور اس کا دل عیش ونشاط سے بھر جاتا ہے تو آخر کار وہ روحانیت، ذہنی سکون اور دل کے آرام کی تلاش وجستجو میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ روحانیت کیا ہے ؟ اس کی ضرورت واہمیت کیا ہے اور انسان کو اس کی تلاش کیوں ہے ؟ آیئے ! ان سوالات کے جوابات ڈھونڈتے ہیں۔

لفظ "روحانیت" روح سے بنا ہے اور روح کے معنی ہیں راحت، سکون اور قرار لہٰذا روحانیت کا مطلب بنے گا ایسا عمل جس سے سکون حاصل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مادے کے ذریعے انسان کا ظاہری وجود بنایا ہے اسی طرح روح کے ذریعے ایک باطنی وجود بھی تخلیق کیا ہے ۔ انسان کا ظاہری وجود ہاتھ، پاؤں، چہرہ، جسم ، دل، گردے پھیپڑے اور دیگر اعضا پر مبنی ہے جب کہ باطنی وجود ایمان، نور، عقل، معرفت، غور وفکر، جذبات ، احساسات ، خوشی ، غمی، بے چینی اور سکون ایسی کیفیات پر مشتمل ہے۔ دنیا کے مذاہب میں ہمیں روحانیت یعنی سکون حاصل کرنے کے جدا جدا طریقے نظر آتے ہیں جیسے کوئی یوگا کرتا ہے، کوئی مراقبہ کرتا ہے، کوئی جنگلات وویرانوں میں پناہ ڈھونڈتا ہے ، کوئی غاروں کو اپنی آماجگاہ بناتا ہے، کوئی پُر فضا مقامات کو مسکن بناتا ہے اور کوئی دنیا کے شور وغل سے دُور سُنسان جگہوں کا متلاشی ہے الغرض مقصد سب کا ایک ہے کہ اپنی روح کو سکون وچین پہنچایا جائے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر ایسا کرنے سے کامل سکون حاصل نہیں ہوتا۔ ان سب کے برعکس ہم جب اسلام کے تصور روحانیت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایک کامل تسکین دینے والا نظام نظر آتا ہے ۔ چنانچہ، اسلام میں روحانیت کا مطلب اپنے خالق ومالک کا قرب ہے۔

پہلے بتایا جا چکا کہ انسان کے دو پہلو ہیں ایک مادی اور دوسرا روحانی۔ مادی پہلو کا تعلق دنیا سے اور روحانی پہلو کا تعلق اللہ پاک سے ہے۔ انسان کے روحانی اور مادی پہلو ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں ہیں، اگر انسان کو خدا کی قربت حاصل کرنی ہے تو اسے اپنے مادی پہلو کو کچلنا ہوگا۔ پس اگر انسان اپنے مادی پہلو کو کچلنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ قربِ الٰہی کو پالے گا اور اگر وہ اپنے مادی پہلو کو کچلنے میں ناکام رہا تو راہِ خدا سے بھٹک جائے گا۔ پھر یہ کہ جو بندہ رب کریم کے جتنا قریب ہوتا ہے وہ اتنی ہی بڑی روحانی شخصیت کا مالک بن جاتا ہے ۔ ہمارے پیارے دین میں قربِ الٰہی پانے کا مدار قرآن پاک اور سنت نبوی پر عمل کرنے میں ہے، کیونکہ اب پوری انسانیت کے پاس دینی وآسمانی علوم کا سر چشمہ صرف قرآن کریم ہے اور ان علوم کی کامل تشریح وتوضیح حضور خاتم الانبیا ﷺ کا قول وعمل ہے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ.

ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑیں ہیں جب تک انہیں تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہوگے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔" (موطا امام مالک، حدیث:۱۵۹۴)

ایک مشہور حدیث قدسی ہے جس میں قربِ الٰہی یعنی اسلامی روحانیت پانے کا راز کھول کر بیان کیا گیا ہے اسے یہاں بیان کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جتنا میرا قرب حاصل کرتا ہے اس کی مثل کسی دوسرے عمل سے حاصل نہیں کرتا (ایک روایت میں یوں ہے: میرا بندہ کسی ایسی شئے سے میرا قرب نہیں پاتا جو فرض کو ادا کرنے سے زیادہ پسند ہو) اور میرا بندہ نوافل (کی کثرت) سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ

طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔'' (صحیح بخاری، حدیث:۶۵۰۲)

حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن عمر المعروف امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات:۶۰۶ھ) نے اس حدیث پاک کا معنی ومقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ جب بندہ اپنے آپ کو اللہ ربُّ العزت کے عشق ومحبت والی آگ میں جلاکر فنا کردیتا ہے، نفسانیت وانانیت والا زنگ اور میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور انوارِ الٰہیہ سے اس کا بدن منور ہوجاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے انوار ہی سے دیکھتا ہے، انہی کی بدولت سنتا ہے، اس کا بولنا انہی انوار کے ذریعے ہے۔ اس کا چلنا، پھرنا اور پکڑنا، مارنا انہی سے ہوتا ہے۔

امام رازی کے الفاظ یہ ہیں:

''اِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ لَہٗ سَمْعًا سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ لَہٗ بَصَرًا رَاَی الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ یَدًا لَہٗ قَدَرَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِی الصَّعْبِ وَالسَّھْلِ وَالْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ

ترجمہ: اللہ پاک کا نورِ جلال جب بندۂ محبوب کے کان بن جاتا ہے تو وہ ہر آواز کو سن سکتا ہے نزدیک ہو یا دور اور آنکھیں نورِ جلال سے منور ہوجاتی ہیں تو دور ونزدیک کا فرق ختم ہوجاتا ہے یعنی ہر گوشۂ کائنات پیش نظر ہوتا ہے اور جب وہی نور بندہ کے ہاتھوں میں جلوہ گر ہوتا ہے تو قریب وبعید اور مشکل وآسان میں اسے تصرف کی قدرت حاصل ہوجاتی ہے۔'' (تفسیر کبیر،۷/۴۳۶)

سچی بات ہے کہ اللہ رب العزت پر ایمان رکھنے والا بندہ جتنا زیادہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے، اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے اتنا زیادہ روحانیت وسکون حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ. (پ۱۳، الرعد:۲۸)

ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی یاد یعنی ذکر الٰہی کی اعلیٰ ترین قسم نماز ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ. (پ۱۶، طٰہٰ:۲۰)

ترجمہ: اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ۔

روحانیت کو تفصیل کے ساتھ سمجھنے کے لیے ہمیں روحانیت کے درج ذیل تین پہلوؤں کو سمجھنا ہوگا:

پہلا پہلو: اپنی ذات کی معرفت۔

دوسرا پہلو: اللہ تعالیٰ کی معرفت۔

تیسرا پہلو: شخصیت کی تعمیر۔

پہلے اور دوسرے پہلو کا تعلق علم کے ساتھ ہے جبکہ تیسرے پہلو کا تعلق عمل کے ساتھ ہے۔ معلوم ہوا کہ پہلے دونوں معرفتوں کا حصول ہو اور پھر ان معرفتوں کے نتائج کو عملی شکل میں ڈھال کر انسان اپنی شخصیت کی تعمیر کرے، لہٰذا انسان سب سے پہلے خود کو سمجھنے اور پہچاننے کی کوشش کرے تاکہ اُسے اپنے جذبات، احساسات، خواہشات رغبتوں، رجحانات، شخصی کمزوریوں اور اچھائیوں کا پتا چل سکے، پھر وہ جس قدر جانتا چلا جاتا ہے اُسی قدر اپنے ذات اور باطنی وجود کی معرفت وپہچان حاصل کرتا جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ.

ترجمہ: جس نے خود کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچان لیا۔ (صواعق محرقہ)

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو اپنی ذات میں پائی جانے والی ناتوانی وکمزوری اور کمی وکوتاہی کو پہچان لیتا ہے وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ اس کا کوئی رب اور پالنے والا ہے جو کمال سے متّصف ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے اور اس کے سارے کام درست ہیں۔

اپنی ذات کو سمجھنے اور پہچاننے کے بعد روحانیت کا دوسرا مرحلہ رب تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اسلام اس مرحلے پر سب سے پہلا یہ درس دیتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لائے، پھر اس کی صفات کا اقرار کرے اور صفات کے ذریعے ہی بندے کو رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ روحانیت کا یہ دوسرا پہلو ایک لحاظ سے پہلے پہلو سے جُڑا ہوا ہے۔ ان دونوں علمی پہلوؤں کے بعد بندہ روحانیت کے تیسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوجائے اور وہ ہے شخصیت کی تعمیر وتہذیب، جب انسان نے اپنی ذات اور باطنی وجود کو پہچان کر رب تعالیٰ کی یک گونہ معرفت حاصل کرلی اور زندگی کا مقصد واضح کرلیا تو اب ایک ایسی شخصیت کو تعمیر کرنا ضروری ہوجاتا ہے جو ایسی تمام خرابیوں، بُرائیوں اور بداعمالیوں سے پاک ہو جن کی وجہ سے بندہ بارگاہِ الٰہی میں درجہ قبولیت پر فائز ہونے سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسلام نے اس مرحلے پر بندے کے لیے عبادات واخلاقیات کا ایک سلسلہ رکھا

ہے جس میں علم وعمل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ایک طرف عبادات جیسے نماز روزہ اور زکوٰۃ وحج کے ذریعے شخصیت کو رب تعالیٰ سے جوڑا جاتا ہے تو دوسری جانب اخلاقیات اور حقوق العباد کی ادائیگی کے ذریعے مخلوق سے اچھے تعلق کی بنیاد رکھی جاتی ہ۔

الغرض ان تین پہلوؤں کے لحاظ سے روحانیت کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ پہلے اپنے ظاہر وباطن کو پہچانے، پھر رب تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور پھر اس معرفت کی بنیاد پر اپنی شخصیت کا تزکیہ وتصفیہ کرے ،یعنی اپنی شخصیت کو نکھارنے، سنوارنے اور اُس کی تعمیر کرنے کے لیے خود کو گناہوں اور بُرائیوں سے بچائے۔رب کریم کی اطاعت کرے اور حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں لگ جائے۔

اگر ہم صحابہ کرام، تابعین عظام اور اولیائے امت کی زندگیوں کا جائزہ لیں تو واضح طور پر دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی زندگیاں روحانیت کے مذکورہ تینوں پہلوں کے گرد گھومتی نظر آئیں گی، یہ حضرات ساری عمر خود شناسی، خداشناسی اور تزکیہ نفس میں بسر دیتے ہیں۔اسلامی تصوف کی بھی یہی تعلیمات ہیں۔کہا جاسکتا ہے کہ تصوف وطریقت روحانیت کے حصول کا ایک مکمل نصاب (Complete Course)ہے ،تصوف کی اصطلاح میں جس شخصیت کو مرشد(شیخ/پیر/رہبر/استاد) کہتے ہیں وہ اپنے مریدوں کو سب سے پہلے اپنے اندر جھانکنے کا درس دیتا تاکہ سب سے پہلے باطن میں پائی جانے والی خرابیوں سے آگاہی ہو،دل میں پائے جانی والی خواہشات، رغبتوں، میلانات وجذبات سے واقفیت حاصل ہو اور بندہ اپنی ذات میں پائی جانے والی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا اعتراف کرلے اور یوں روحانیت کا پہلا مرحلہ طے ہوجائے پھر کامل مرشد رب کریم کی ذات وصفات ، اُس کے کمالات اور اُس ذاتِ وحدہ لاشریک سے تعلق رکھنے والے عقائد ونظریات کی تعلیم دیتا ہے اور بتدرج اپنے مرید کو رب تعالیٰ کی شانوں سے آگاہ کرتا ہے تاکہ روحانیت کا دوسرا مرحلہ ذاتِ باری کی معرفت کا حصول طے ہوسکے اور بندہ قرب الٰہی کی منزلوں پر فائز ہوتا چلا جائے۔اس کے بعد پیر ومرشد انسان کی شخصیت کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے نفس کُشی کے طریقے سکھاتا، ظاہر وباطن کی صفائی وپاکیزگی پر زور دیتا ہے ،اسلامی تعلیمات وشرعی احکامات پر عمل کے لیے ابھارتا ہے، خلق خدا پر شفقت ونرمی کا درس دیتا ہے، انسانیت کی خدمت اور اُس کی فلاح وصلاح کی ضرورت سمجھتا ہے، وہ اپنے مرید کے سامنے عاجزی وانکساری کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔الغرض اسلامی روحانیت (یعنی قرب الٰہی) پانے کے لیے کسی کامل مرشد کامل جانا خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

قرآن وسنت روحانیت کے مذکورہ تینوں پہلوؤں کو جابجا بیان کرتے نظر آتے ہیں۔انسانوں تک دعوتِ توحید پہنچانے اور اُن سے نبوت ورسالت کا اقرار کروانے کے بعد حضرات انبیاے کرام علیہم السلام بھی انسانوں کو ان تینوں پہلوؤں سے روشناس کراتے رہے اور انہیں بتاتے رہے کہ معرفت نفس، معرفت الٰہی اور تزکیہ نفس کرنے والے لوگ ہی دنیا وآخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں اور جو اس سے غفلت برتتے ہیں وہ دنیا میں تباہی اور آخرت میں عذابِ الٰہی کا شکار ہوجاتے ہیں۔محسن انسانیت ، نبی رحمت ﷺ نے بھی اپنی امت کو یہ تعلیم دی اور انہیں رب تعالیٰ تک پہنچانے والا سیدھا راستہ بتایا، پس جو لوگ اس شاہراہِ صراط مستقیم پر گامزن ہوگئے وہ کامیاب کہلائے، قرآن پاک نے ان کے گُن گائے، زبانِ رسالت نے اُن کی سرخروئی پر مہر تصدیق ثبت فرمائی، خلق خدا نے اُن کی عظمتوں کا اعتراف کیا، دنیا وآخرت میں انہیں بشارتیں دی گئیں اور کسی کو صحابی، کسی کو تابعی اور کسی کو ولی اللہ کہا گیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

آگے چل کر بندوں کو روحانیت کے حصول اور قرب الٰہی پانے کے طریقوں اور راستوں سے آگاہ کرنے کے لیے یہ سلسلہ اُمت کے صوفیا اور اولیا کے ہاتھوں میں دیا گیا اور آج تک یہ مردانِ خدا اِس ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھا رہے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ مادیت کی کثافتوں اور خرابیوں نیز زندگی کی الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات اور راحت وروحانیت اور چین وسکون کے حصول کی خاطر بندگانِ خدا ان بزرگوں اور نیک لوگوں کی صحبت وقربت سے فائدہ اٹھائیں رب کریم ہمیں بھی اپنے قرب نوازے اور روحانیت سے مالا مال کردے آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین ﷺ

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ **مفتی محمد نظام الدین رضوی** کی زبانِ فیض ترجمان سے

یہ مسائل ۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ کو سوال و جواب کے ایک اہم سیشن میں طلبۂ اشرفیہ کے ذریعہ پوچھے گئے سوالات کے جوابات ہیں، جسے مولانا محمد عصام الدین برکاتی نے موبائل سے نقل کرکے ادارہ کو ارسال کیا۔ افادیت کے پیشِ نظر اسے اس کالم میں شامل کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

سوال (۱۷): عام دیوبندی، وہابی کا ذبیحہ حلال ہے کہ نہیں، نیز جانور میں اس کی شرکت کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو واقعی دیوبندی یا وہابی ہے یعنی عقیدے کے لحاظ سے، تو وہابی برمذہب فقہا اور دیوبندی برمذہب متکلمین دائرۂ اسلام سے خارج ہیں ان کا ذبیحہ مردار ہے اور ان کو قربانی کے کسی ایک یا چند حصوں میں شریک کرنا بھی ناجائز ہے کیوں کہ اس کا حصہ صرف گوشت ہے، قربانی نہیں، اور اس وجہ سے سارے شرکا کی قربانی برباد ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۱۸): عیسائیوں کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

جواب: عیسائیوں میں زیادہ تر وہ ہیں جو آج کتابی نہ رہے، اور کچھ وہ ہیں جو کتابی ہیں، کتابی کا ذبیحہ تو حلال ہے مگر جب مسلمان کا ذبیحہ ملتا ہے تو کتابی کے ذبیحہ سے بچنا چاہیے اور یہ بزم قربانی کے مسائل کے لیے ہے اگر تم یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ عیسائی سے قربانی کا جانور ذبح کرایا جائے یا نہیں؟ تو اس کا جواب میری نگاہ میں یہ ہے کہ اگر وہ عیسائی واقع میں کتابی ہو تو اس کا ذبیحہ حلال تو ہوگا مگر قربانی اس سے کرانا مکروہ ہے، قربانی سے یہاں صرف ذبح نہیں مقصود ہے، بلکہ ذبح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب وعبادت بھی مقصود ہے تو قربانی اسی سے کرانی چاہیے جو اہل قربت واہل عبادت ہو اور عیسائی اگرچہ کتابی ہو لیکن وہ قربت وعبادت کا اہل نہیں ہے تو اس کا ذبیحہ باَیں معنی حلال تو ہوسکتا ہے کہ اس کا کھانا جائز ہوگا اگرچہ اس سے بچنا چاہیے مگر اس سے قربانی کرانا مکروہ ہے اور اس سے احتراز چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۱۹): جس جانور کے پیدائشی طور پر دانت نہ ہوں تو کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

جواب: اس کی قربانی ناجائز ہے کہ دانت کی تخلیق سے جو منفعت مقصود ہوتی ہے وہ کامل طور پر ختم ہو چکی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۰): قربانی کے چمڑے کا پیسہ امام صاحب کی امداد کے لیے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: امداد کے لیے دے سکتے ہیں، تنخواہ یا اجرت میں نہیں۔ قربانی کے چمڑے کے دام کا مصرف ہر کار خیر وکار ثواب ہے تو امام صاحب اگر حاجت مند ہیں، ان کو دینے میں ثواب ہے تو ضرور ان کی امداد کے لیے ان کو کھال دے سکتے ہیں، کھال کے روپے بھی دے سکتے ہیں اور اس سے ثواب بھی ملے گا۔ مگر اجرت کے طور پر دینا جائز نہیں ہے کہ اجرت کام کا معاوضہ ہے اور یہ معاوضہ قربت یا عبادت نہیں، یہی حال تنخواہ کا بھی ہے کہ وہ بھی اجرت ہی ہے۔ بس یہ یاد رکھیں کہ قربانی کا دام صرف تقرب کے طور پر کارِ ثواب میں دینے کی اجازت ہے اور اس کے سوا کے لیے اجازت نہیں، تبیین الحقائق اور فتاویٰ عالمگیری میں اس کے بارے میں صریح جزئیہ موجود ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے تو اس بارے میں ایک تحقیقی رسالہ ہی تصنیف فرمایا ہے: الصافیة الموحیة فی حکم جلود الاضحیة جو فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم میں طبع ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۱): قربانی کے جانور میں عقیقہ کے لیے حصہ لینا جائز ہے، تو کیا ولیمہ کے لیے بھی حصہ لینا جائز ہے اور قربانی کا گوشت دعوت ولیمہ میں استعمال کرسکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: قربانی کے جانور میں ولیمہ کے لیے حصہ لینا جائز ہے کہ ولیمہ حضور سیدِ عالم ﷺ کی سنت ہے جو بجائے خود قربت وکار

ثواب ہے اور قربانی کا گوشت دعوت ولیمہ میں صرف کرسکتے ہیں، یہ بلاشبہ جائز ہے۔ فقہا کا اس میں کلام ہے کہ قربانی کے جانور میں دمِ احصار، دم تمتع، دمِ قران وغیرہ کئی طرح کی قربت والے شریک ہوسکتے ہیں، یا صرف قربانی والے ہی شریک ہوسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں فقہا کا ایک بڑا طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ کئی طرح کی قربت والے شریک ہوسکتے ہیں، شرکت کے لیے بس یہ ضروری ہے کہ کام قربت وطاعت کا ہو، قربت ہونی چاہیے اگرچہ اجناس قربت مختلف ہوں۔ اس حیثیت سے دیکھا جائے تو ولیمہ سنت رسولَ اللہ ﷺ ہے اور یہ بھی ایک طرح کی قربت ہے تو قربانی کے ساتھ عقیقہ کو بھی شامل کرسکتے ہیں اور ولیمہ کو بھی شامل کرسکتے ہیں، دم احصار، دم تمتع، دم قران کو بھی شامل کرسکتے ہیں ان سب کے ساتھ قربانی صحیح ودرست ہوگی اکثر فقہا کے مذہب پر حکم یہی ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۲): قربانی کے وجوب میں ایسے اموال کا جو حوائج اصلیہ سے ہوں شمار نہیں ہوتا، انھیں میں لباس بھی ہے تو عرض ہے کہ حاجت کی تکمیل کتنے لباس سے ہوگی اور حاجت میں کپڑے کی کس قیمت کا اعتبار ہے، خریدنے کے وقت کی قیمت کا، یا حالیہ قیمت کا، حالیہ قیمت کا اندازہ کیسے ہوگا جب کہ پرانے کپڑے کی خرید وفروخت کا اب رواج نہیں ہے؟

جواب: تین قسم کے کپڑوں کو فقہا نے حاجت سے شمار کیا ہے۔
☆ گھر میں پہننے کے کپڑے۔ ☆ کام کاج کے وقت پہننے کے کپڑے۔ ☆ اور جمعہ وعید وشادی بیاہ وغیرہ کے موقعوں پر پہننے کے عمدہ کپڑے۔

ان سے حاجت پوری ہوجاتی ہے، ان سے زائد کپڑے منفعت یا زینت میں داخل ہیں جو حاجت سے فاضل ہیں قربانی واجب ہونے کے لیے جو مال ضروری ہے اس میں ان زائد کپڑوں کا بھی شمار ہوگا۔

رہ گئی یہ بات کہ قیمت خریدنے کے وقت کی معتبر ہے یا بیچنے کے وقت کی، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ قربانی کے دنوں میں اس کی جو قیمت ہو وہ معتبر ہے اگرچہ اس وقت کپڑا پرانا ہوچکا ہو اور اگر یہ فاضل کپڑا انھیں دنوں میں خریدا تو اس صورت میں خریداری کا وقت ہی معتبر ہوگا۔ کپڑے ہوں، یا کوئی بھی سامان، ان کی قیمت پر شریعت کوئی حکم جاری کرتی ہے تو خریداری کے وقت کا اعتبار کرکے نہیں، بلکہ وقت وجوب میں بازار بھاؤ سے ان کی جو قیمت ہونی چاہیے اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ پرانا کپڑا اگرچہ عموماً بیچا نہیں جاتا مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھار لوگ بازار میں چھوٹی چھوٹی دوکانیں رکھ کر بیچتے بھی ہیں تو حل یہ ہے کہ دو چار لوگوں سے اس کی قیمت لگوائی جائے اس کو "تقویم" کہتے ہیں چند دین دار آدمی اس کی جو قیمت لگائیں اس کا اوسط نکال لیا جائے جو اوسط آئے وہی اس کی قیمت مان لی جائے گی اور اسی کا اعتبار ہوگا۔ وہ قیمت اس کے فاضل مال میں شامل کرلی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۳): ایک گاؤں ہے جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہے وہ قربانی کرنے نہیں دیتے، تو کیا صدقہ کرنے سے قربانی ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ حالاں کہ کفارۂ یمین میں مسکینوں کو کھانا کھلانے کے بجائے اتنی قیمت ادا کردی جائے تو فقہا فرماتے ہیں کہ یہ کافی ہے۔

جواب: قربانی کے لیے جانور کو ذبح کرنا ہی ضروری ہے اس کے بغیر قربانی کا وجوب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، قربانی کے دنوں میں قربانی کے بدلے میں صدقہ کرنا قطعًا نامقبول ہے۔ ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں یہ حالت پائی جاتی ہے لیکن مسلمان پھر بھی قربانی کرتے ہیں وہاں نہیں کرتے ہیں تو آس پاس کے علاقوں میں جہاں قربانی ہوتی ہے وہاں جاتے ہیں، وہاں قربانی کرالیتے ہیں اور وہاں سے گوشت کسی طور پر حاصل بھی کرلیتے ہیں۔ اگر فرض کرو گوشت نہیں آسکتا ہے تو بھی واجب کو ادا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جہاں یہ واجب ادا ہوسکتا ہو وہاں جاکر اس واجب کو ادا کردیں، گوشت نہیں لاسکتے ہیں تو وہاں کے مسلمانوں میں اس کو تقسیم کردیں۔ اس کے باعث انھیں گوشت کے صدقے کا ثواب ملے گا۔

کفارۂ یمین یا کفارۂ قسم پر اس کو قیاس نہیں کرسکتے دیکھو! کفارۂ یمین ہو یا کفارۂ قسم، اس طرح کے کفارات میں مقصود کیا چیز ہے؟ اس پر نظر رکھنی چاہیے۔ اصل مقصود ہے سدُّ حاجة الفقراء "فقرا کی حاجت روائی" اور ہمارے فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں فقرا کی حاجت روائی پیسے اور روپے سے زیادہ ہوتی ہے لہذا پیسے وروپے سے بھی کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے اور کھانا کھلا کر بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کو نافذ کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک کھانا کھلانا لازم ہے۔ مگر ائمۂ حنفیہ یہ کہتے ہیں مقصود ہے سدُّ حاجة الفقراء "فقرا کی حاجت پوری

کرنا" اور ہم نہیں جانتے کہ اس کو حاجت کھانے کی ہے، یا کپڑے کی ہے، یا اس کو حاجت دوا علاج کی ہے، یا اپنے کسی قریبی کو دینے کی ہے، پیسہ ہو تو وہ اپنی ہر حاجت پوری کر سکتا ہے اور "طعام" سے اپنی ہر حاجت پوری نہیں کر سکتا اس لیے فقہاے حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ "فقرا کی حاجت روائی" کے مقصد بلند کے پیش نظر وہ پیسے اور روپے کے ذریعہ کفارہ ادا کر سکتا ہے۔ لیکن قربانی میں مقصود ہے اِراقۃُ الدم لوجہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مخصوص وقت میں مخصوص جانور کا خون بہانا۔ تو یہ مقصد ہرگز صدقہ سے پورا نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں آیا ہے: قربانی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی چیز (قربانی کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ تو قربانی کے دنوں میں مقصود اِراقۃُ الدم ہے اور یہ روپے پیسے سے پورا نہیں ہو سکتا اس لیے قربانی کرنی ہی پڑے گی اور کفارۂ یمین و قسم وغیرہ پر اس کا قیاس بجا نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۴): اگر کوئی بدمذہب مسجد یا مدرسے میں چمڑا دے تو کیا اسے لینا جائز ہے اور کیا چمڑے کی دباغت ضروری ہوگی؟

جواب: آج کل جن لوگوں کو بدمذہب و بدعقیدہ کہا جاتا ہے وہ لوگ عموماً مذہب اسلام سے اپنا رشتہ توڑ چکے ہیں یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اور ایسے لوگوں کے بارے میں ہمارے فقہا کا اجماعی فیصلہ ہے ایاکم و ایاھم "ان سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور رکھو" ان سے تعلقات رکھنا ناجائز و گناہ ہے لہذا اگر وہ کچھ دیتے ہیں اسے ہرگز ہرگز نہ لیا جائے کیوں کہ یہ تعلق قائم بھی کرنا ہے اور بڑھانا بھی اور بسا اوقات اس تعلق کا نقصان بھی ہوگا۔ لہٰذا ہرگز ہرگز نہ تو ان سے قربانی کے لیے پیسہ لیا جائے اور نہ قربانی کا جانور لیا جائے، نہ قربانی کی کھال لی جائے، نہ قربانی کا گوشت لیا جائے، ان سے مکمل طور پر قطع تعلق رکھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۵): زید حجاز مقدس عرب میں رہتا ہے اور اس کے گھر والے ہندوستان میں، حجاز مقدس میں قربانی کا وقت ختم ہو گیا، لیکن ہندوستان میں باقی ہے تو کیا ہندوستان میں زید کے نام سے قربانی ہو جائے گی؟ جیسے اگر کوئی شخص شہر میں ہو تو وہ گاؤں میں رہنے والے شخص سے اپنی قربانی کروا سکتا ہے جبکہ ابھی شہر میں عید کی نماز نہیں ہوئی ہے؟ دونوں کا حکم بیان کریں۔

جواب: سب سے پہلے آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ قربانی کا سبب وجوب کیا ہے؟ جیسے نماز کا سبب وجوب وقت ہے، روزے کا سبب وجوب وقت ہے، یوں ہی قربانی کا سبب وجوب بھی وقت ہے۔ اسی لیے وقت کی طرف اس کی اضافت بھی کی جاتی ہے جیسے صلاۃ الظھر یہ اضافت مُسبَّب کی سبب کی طرف ہے صوم شھر رمضان یہ اضافت بھی مُسبَّب کی سبب کی طرف ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَیَّامُ النحر ثلٰثہ قربانی کے دن تین ہیں۔ اس حدیث پاک میں نحر کی اضافت ایام کی طرف ہے یہ ایام سببِ وجوب ہیں تو جیسے وقت نہ ہو تو ظہر آپ پر فرض نہیں، ماہ رمضان نہ ہو تو رمضان کا روزہ آپ پر فرض نہیں، ایسے ہی اگر ایام النحر نہ ہوں یعنی دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ، تو مالک نصاب پر قربانی بھی واجب نہیں۔

اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر جواب سنو۔ زید رہتا ہے سعودیہ میں، وہاں عموماً ایک دن پہلے وقت ہو جاتا ہے قربانی وہ یہاں کرنا چاہتا ہے تو وہاں جس دن دسویں تاریخ ہوگی یہاں نویں ذی الحجہ ہوگی اور نویں ذی الحجہ سبب وجوب نہیں ہے لہذا نویں ذی الحجہ کو اس کی طرف سے قربانی بالاتفاق نہ ہوگی کہ سببِ وجوب نہیں پایا گیا۔ ہاں یہاں کی ۱۰/ ذی الحجہ وہاں کی ۱۱/ ذی الحجہ ہوگی۔ اور یہاں کی ۱۱/ ذی الحجہ وہاں کی ۱۲/ ذی الحجہ ہوگی، تو یہاں کی دسویں اور گیارہویں ذی الحجہ کو اس کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے کیوں کہ سبب وجوب "وقت" پایا گیا اور یہ سبب وجوب اس کے یہاں بھی موجود ہے اور ہندوستان میں جہاں قربانی ہو رہی ہے وہاں بھی موجود ہے۔ سبب وجوب مالکِ نصاب کے حق میں بھی پایا جانا چاہیے اور جہاں قربانی ہو رہی ہے وہاں بھی پایا جانا چاہیے۔ مالکِ نصاب پر قربانی واجب ہے اس لیے مالک نصاب کے حق میں بھی سبب وجوب "وقت" موجود ہونا ضروری ہے اور جہاں قربانی ہو رہی ہے وہاں بھی سببِ وجوب "وقت" موجود ہونا ضروری ہے اگر وہاں سبب وجوب نہیں پایا جا رہا ہے تو وہاں کے رہنے والے کی طرف سے یہاں ہندوستان میں قربانی نہیں ہوگی اس لیے ہندوستان میں جب دسویں، گیارہویں ذی الحجہ ہوگی تو حجازِ مقدس میں رہنے والے شخص کی طرف سے قربانی یہاں صحیح ہوگی۔ لیکن جب یہاں ۱۲/ ذی الحجہ ہوگی تو وہاں پر ۱۳/ ذی الحجہ ہوگی تو اس کے حق میں وہاں سببِ وجوب نہیں رہے گا لہذا اس کی طرف سے

یہاں قربانی نہیں ہوسکتی۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ جو آدمی سعودیہ میں رہتا ہو، برطانیہ میں رہتا ہو، ہالینڈ میں رہتا ہو، امریکہ میں رہتا ہو اور وہ یہاں ہندوستان میں قربانی کرانا چاہتا ہو تو ضروری ہے کہ دونوں ملکوں میں قربانی کا وقت پایا جائے۔ جب دونوں ملکوں میں قربانی کا وقت پایا جائے گا تو وہ قربانی صحیح ہوگی، ایک ملک میں پایا گیا دوسرے ملک میں نہیں پایا گیا تو قربانی صحیح نہیں ہوگی کہ سببِ وجوب کا دونوں جگہ پایا جانا ضروری ہے اور ایک جگہ سبب وجوب "وقت" نہیں پایا گیا۔ اگر زید یہاں ہندوستان میں رہتا تو یہاں سببِ وجوب مالک نصاب کے حق میں بھی متحقق تھا اور مکان کے لحاظ سے بھی متحقق تھا تو یہاں وہ اپنی طرف سے قربانی کرتا مثلاً ۱۰؍ ذی الحجہ کو ہم مالکِ نصاب ہیں تو ہمارے حق میں سببِ وجوب بھی متحقق ہے اور جس جگہ میں ہم رہتے ہیں اس جگہ کے حق میں بھی سبب وجوب متحقق ہے۔ لیکن کوئی مثلاً برطانیہ یا ہالینڈ یا سعودیہ وغیرہ میں ہے تو مکان و زمان دونوں لحاظ سے سببِ وجوب کب پایا جائے گا؟ دسویں اور گیارہویں ذی الحجہ کو۔ اس کے برخلاف یہاں کی نویں اور بارہویں ذی الحجہ کو برطانیہ یا سعودیہ والے کے حق میں زمان و مکان دونوں اعتبار سے سبب وجوب نہیں پایا گیا۔ لہذا نویں اور بارہویں ذی الحجہ کو یہاں اس کی طرف سے قربانی صحیح نہ ہوگی۔ یہ بات تو واضح ہوگئی۔

جو مسئلہ آپ نے پیش کیا ہے کہ ایک ملک مثلاً ہندوستان کا شہری چاہتا ہے کہ اس کی قربانی اسی ملک میں عید سے پہلے ہو جائے تو فقہا نے اس کا حیلہ یہ بتایا ہے کہ دیہات میں نماز عید سے پہلے اس کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔ اگر دیہات میں کرے گا تو عید سے پہلے کر سکتا ہے اور اگر شہر میں کرے گا تو عید کے بعد کر سکتا ہے۔ ایسا کیوں ہے اس کو بھی ہم سمجھا دیتے ہیں۔

دیکھیے! شہر ہو یا دیہات، فرض کیجیے مبارکپور شہر ہے اور یہیں بغل میں دیولی ہے دیہات، وہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے تو وہاں فجر کے بعد ہی قربانی شروع ہو جائے گی اور مبارک پور میں عید کی نماز ہوتی ہے یہاں عید کی نماز ہونے کے بعد قربانی شروع ہوگی۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت جو سبب وجوب ہے وہ دیولی میں بھی پالیا گیا اور مبارک پور میں بھی پالیا گیا، یعنی سبب وجوب "وقت" دونوں جگہ پایا جا رہا ہے تو قربانی وہاں صحیح ہو جائے گی۔ کیوں کہ ہم اپنی قربانی وہاں کرائیں گے تو سبب وجوب مالک نصاب کے لحاظ سے بھی موجود ہے اور مکان کے لحاظ سے بھی موجود ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ پھر مبارک پور میں قربانی کیوں نہیں درست ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شہر ہے اور شہر میں نماز عید پڑھنا واجب ہے، تو شہروں میں نماز عید کے بعد قربانی ہونا یہ شرط صحت ہے، سبب نہیں ہے، یہ شرط ہے صحت کے لیے۔ وقت پایا جا رہا ہے مگر شرط نہیں پائی جا رہی ہے تو یہ قربانی صحیح نہیں ہے اور وہاں دیولی میں عید کی شرط ہے نہیں، صرف وہاں پر سبب ہی سبب درکار ہے لہذا وہاں پر قربانی ہو جا رہی ہے۔ شرط یہاں اس لیے ہے کہ یہاں نماز عید واجب ہے اب اگر اجازت پہلے ہی سے دیدی جائے کہ تم قربانی کر سکتے ہو تو لوگ کھانے پکانے میں لگ جائیں گے اور بہت سے لوگ نماز عید سے غافل ہو جائیں گے، یہ شریعت طاہرہ کی مصلحت مہمہ ہے کہ شہروں میں جہاں اس نے عید کی نماز کو واجب قرار دیا تو وہاں قربانی کے صحیح ہونے کے لیے نمازِ عید کو شرط بھی قرار دے دیا کہ نمازِ عید کے بعد ہی تم قربانی کر سکتے ہو اس سے پہلے قربانی کرو گے تو قربانی صحیح نہیں ہوگی، اس لیے نہیں کہ سبب نہیں پایا گیا، بلکہ اس لیے کہ اس کی شرط نہیں پائی گئی۔ ورنہ سبب تو یہاں بھی ہے، وہاں بھی ہے اور اسی لیے قربانی وہاں (مثلاً دیولی میں) صحیح ہو رہی ہے تو دیولی اور مبارک پور والے مسئلے میں دونوں جگہ سبب وجوب پایا جا رہا ہے اس لیے (دیولی میں) قربانی صحیح ہے اور مبارک پور اور سعودیہ والے مسئلے میں ۹؍ ذی الحجہ کو دونوں جگہ سبب وجوب نہیں ہے بلکہ سعودیہ میں ہے اور یہاں نہیں ہے، یوں ہی بارہویں ذی الحجہ کو بھی دونوں جگہ سبب وجوب نہیں ہے بلکہ صرف ہندوستان میں ہے اور سعودیہ میں ختم ہو چکا ہے، اس لیے نویں اور بارہویں ذی الحجہ کو سعودیہ والے کی طرف سے قربانی نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۶): قربانی کے تین دن ہیں، دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ۔ ایک شخص شروع کے دو دنوں میں قربانی نہ کر سکا اور تیسرے دن اچانک کسی ضرورت کی بنا پر اسے سفر کرنا پڑا تو کیا اس پر قربانی واجب ہے؟

جواب: اگر کوئی سفر کو قربانی سے بچنے کا حیلہ بنائے تو یہ ناجائز ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو اور شریعت کو دھوکہ دینا ہے جو ناجائز ہے اور کوئی مجبوری پیش آگئی، اس لیے اس کو سفر کرنا پڑا، یا کسی ایمرجنسی ضرورت کی وجہ سے اسے تیسرے دن جانا پڑا تو اس کے ذمہ قربانی واجب نہ رہی اور

خود مسافر پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ واجب مُوسَّع ہے اور واجب موسع میں اتنی گنجائش ہے کہ سفر در پیش ہو جائے تو قربانی کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ قربانی کر لے تاکہ لوگ اس پر تہمت نہ رکھیں کہ قربانی سے بچنے کے لیے ایسا کیا۔ ایک حدیث میں ہے: اتقوا مواضع التھم. تہمت کی جگہوں سے بچو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۷): عورت کے پاس نصاب کے مطابق زیور ہے لیکن اس کا شوہر جب چاہتا ہے اس کی اجازت کے بغیر بیچ دیتا ہے اور بیوی کو تصرف کے لیے نہیں دیتا تو کیا ایسی عورت پر قربانی واجب ہوگی؟

جواب: اگر یہ واضح ہے کہ شوہر کو اس میں تصرف کا حق حاصل نہیں جیسا کہ آپ نے بیان کر دیا کہ وہ زیورات عورت کی ملک ہیں مگر شوہر اپنے حاکم ہونے کا بیجا اور ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو بیوی سے اجازت لیے بغیر بیچتا ہے تو یہ اس کی زیادتی ہے اور اس کی وجہ سے وہ گنہگار ہوا۔ لیکن عورت جب زیورات کی مالک ہے اور وہ زیورات نصاب کی مقدار کو پہنچ رہے ہیں تو اس کے اوپر قربانی واجب ہوگی۔ چاہے زیورات بیچ کر قربانی کرے یا قرض لے کر قربانی کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۸): قربانی کے جانور کو قربانی کے لیے لٹایا جا رہا تھا کہ اس کے سرکش ہونے کے باعث اس میں کوئی عیب ایسا پیدا ہو گیا جس کی بنیاد پر اس کی قربانی نہیں ہو سکتی تو کیا وہی جانور قربانی کرے مالک نصاب، یا کوئی اور؟

جواب: لٹاتے یا پٹکتے وقت قربانی کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے اور اس کی قربانی جائز و صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۲۹): ایک طالب علم نے فتاویٰ رضویہ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ سوال پوچھا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے زمانے میں گائے کی قربانی کو جب قانونی جرم قرار دیا گیا تو بھی آپ نے اس کو شعار اسلام قرار دے کر اس کی قربانی کا حکم دیا تھا، لہٰذا آج کل گائے کی قربانی کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: تم نے سمجھا نہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے زمانے میں پابندی نہیں لگائی گئی تھی لیکن اس کی ترغیب دی جاتی تھی کہ مسلمان گائے کی قربانی سے باز آجائیں اس بارے میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے ایک سوال ہوا تھا، اگر مفتی بیدار مغز نہ ہو تو اس سوال کے جال میں پھنس کر وہ حکم کچھ کا کچھ دے سکتا تھا مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ تو اپنے زمانے کے بے مثال مفتی اعظم تھے اور بے دار مغز تھے انھوں نے سوال پڑھتے ہی سب کچھ سمجھ لیا اور ایسا بہتر جواب دیا کہ سوال کرنے والے کی چالاکی کی شہ رگ کٹ گئی اور کتاب و سنت کے مطابق آپ نے واضح فیصلہ سنا دیا اس وقت پابندی نہیں لگائی گئی تھی لیکن اس کی کوشش چل رہی تھی کہ مسلمان اس سے بچیں، سائل نے بڑی ہی چالاکی کے ساتھ سوال کیا تھا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سمجھ نہ سکیں اور جواب ایسا دے دیں کہ پابندی خود بخود لگ جائے۔ آپ نے اس کی چالاکی کو سمجھ لیا اور ایسا جواب دیا کہ شعار اسلامی پر کوئی آنچ نہ آئی، جیسا کہ آپ کے رسالہ انفس الفکر مشمولہ فتاویٰ رضویہ ہشتم سے عیاں ہے اور آج تو پابندی لگائی جا چکی ہے کل میں اور آج میں فرق ہے۔ اور شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ ”جوبات قانوناً جرم ہوتی ہے وہ شرعاً بھی ممنوع ہوتی ہے“ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ لہٰذا پابندی لگ گئی ہے تو جب تک پابندی ہے تب تک اس سے بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۳۰): شرکت کی قربانی میں اگر کسی شریک کی نیت قربت کی نہ ہو تو کسی کی قربانی نہ ہوگی، اصل سوال یہ ہے کہ کسی شریک کی نیت باطل ہے تو دوسروں کا کیا قصور کہ ان کی بھی قربانی نہیں ہوئی؟

جواب: ان کا قصور یہ ہے کہ ایسے قصور وار کو اپنے ساتھ شریک کیا؟ دیکھو! اس کی وجہ یہ ہے کہ جانور کے اندر اگر تم دس کروڑ اجزا مانو گے تو ہر جز میں ساتوں افراد غیر معین طور پر شریک مانے جائیں گے اور جب ساتوں شرکا غیر معین طور پر جانور کے ہر جز میں شریک ہوں گے تو ان سارے اجزا میں اس ایک آدمی کی نیت کا فساد سرایت کر جائے گا، اس لیے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اس کو ایسے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ بالٹی میں پانی رکھا ہوا ہے اور اس میں کسی نے بھی ایک قطرہ شراب کا ڈال دیا تو سب پانی خراب ہو گیا کہ اب اسے نہ پی سکتے ہو، نہ اس سے وضو بنا سکتے ہو، نہ نہا سکتے ہو، اسی طور پر وہ بھی ہے۔ اب بتائیے کہ اس میں پانی کا کیا قصور؟ قصور تو اس کا ہے جس نے پانی میں شراب کا قطرہ ملایا، قصور پانی کے مالک کا نہیں ہے لیکن شراب کا قطرہ جہاں جائے گا اپنا اثر دکھائے گا۔ اسی طرح وہ نیت فاسدہ جہاں رہے گی وہاں اپنا اثر دکھائے گی چاہے دوسرے حصہ داروں کا قصور ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۳۱): اگر کوئی شخص اپنے بالغ بیٹے کے کھاتے میں پیسے جمع کرا دے تو مالک کون ہوگا؟

جواب: بالغ بیٹے کے کھاتے میں باپ نے اپنے ہاتھ سے پیسہ جمع کیا یا دوسرے کے ہاتھ سے، یا خود بالغ لڑکے کے ہاتھ سے؟

کسی کے کھاتے میں روپے جمع کرنا یہ اس کے لیے ہبہ ہے اور ہبہ کی وجہ سے موہوب لہٗ (جس کو سامان دیا جاتا ہے) اس کا مالک ہوجاتا ہے مگر مالک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جس کو دیا گیا وہ اس پر قبضہ کر لے یعنی اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ اگر اس نے اپنے ہاتھوں میں لے کر قبضہ کر لیا تو مالک بھی ہوگیا اور قبضہ نہیں کیا تو مالک نہیں ہوا۔ اب اگر باپ نے لڑکے کو روپے دیے کہ یہ لو اور اپنے کھاتے میں جمع کردو تو روپے اس کے ہاتھ میں آتے ہی وہ مالک ہوگیا۔ لہٰذا جب اسے بینک میں جمع کردے گا تو بھی اس کا مالک رہے گا اور جمع کرنے سے پہلے بھی اس کا مالک ہے اور اگر روپے خود باپ نے جمع کیے یا باپ نے کسی اور سے جمع کرائے تو روپے لڑکے کے ہاتھ میں نہیں آئے، اس کا قبضہ نہ ہوا اس لیے اظہر یہ ہے کہ لڑکا اس کا مالک نہیں ہوا۔ یہ حکم اصل مذہب کے مطابق ہے۔

مگر اب ہماری تحقیق بدل رہی ہے میں اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ کیش لیس کے نظام کی بنا پر بینک کے کھاتوں میں اندراج کو بھی قبضہ تسلیم کر لیا جائے اگر قبضہ نہیں تسلیم کرتے ہیں تو آج پوری دنیا کے حالات اس قدر بدل چکے ہیں کہ بہت کچھ مفاسد اور خرابیاں پیدا ہوں گی، اس لیے آج کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اب میں یہ موقف اختیار کرتا ہوں کہ لڑکے کے کھاتے میں باپ اس کی تملیک کے لیے روپے جمع کرے، یا خود لڑکا یا کوئی اور، بہر حال وہ لڑکا روپے کا مالک ہوجائے گا اور اگر اس سے اس کا نصاب پورا ہوتا ہو تو مالک نصاب بھی ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۳۲): باپ نے بیٹے کے کھاتے میں جمع کرنے کے لیے روپے دیے مگر مالک بنانا نہیں چاہتا ہے، بلکہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کے کھاتے میں روپیہ جمع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر مالک بنانا مقصد نہ ہو، بلکہ کوئی اور مقصد ہو جیسے نوٹ بندی کے زمانے میں کسی نے کسی کے بھی کھاتے میں روپے جمع کردیئے تو یہ ایک طرح کی امانت ہوئی، یہاں مالک بنانا مقصود نہیں، تو لڑکا مالک نہ ہوگا بلکہ صرف امین ہوگا۔

اگر قرینے سے یہ ظاہر ہو کہ یہاں مالک بنانا مقصود نہیں مثلاً انکم ٹیکس سے بچنا مقصود ہے یا کسی اور ضرر سے بچنا مقصود ہے یا باپ نے واضح کردیا ہے کہ اس وجہ سے میں تمھارے کھاتے میں جمع کر رہا ہوں تو کھاتے دار مالک نہیں ہوگا بلکہ کھاتے دار محض امین ہوگا، جس کی واپسی عند الطلب لازم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۳۳): مسجد کے سنگ مرمر پر کسی نے پیشاب کردیا اور وہ خشک ہوگیا تو کیا اس پر تیمم کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اس پر تیمم جائز نہیں، نہ وہ پاک ہے، صرف خشک ہونے کے بعد وہ جگہ پاک نہیں ہوگی کیوں کہ پتھر میں جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے پتھریوں بھی سختی کے لیے مشہور ہے اس کو دھو کر باہر بہانا پڑے گا اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اور جہاں تک تیمم کا مسئلہ ہے وہ تو مٹی پر بھی — اگر پیشاب کرنا معلوم ہو— تیمم کرنا جائز نہیں ہے تیمم صحیح ہونے کے لیے "صعید طیب" ضروری ہے یعنی ایسی پاکیزہ مٹی جس کے بارے میں ہم یہ نہیں جانتے ہیں کہ یہاں نجاست گری ہے بس اسی جگہ پر تیمم کرسکتے ہیں اور جہاں کے بارے میں معلوم ہے کہ یہاں کبھی نجاست گری تھی اور وہ مٹی کھودی نہیں گئی ہے تو وہاں پر تیمم صحیح نہیں ہے، ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۳۴): حضرت آپ نے ابھی فرمایا کہ جو قانوناً جرم ہو وہ شرعاً بھی جرم ہوجایا کرتا ہے۔ تو کیا نماز اور اذان پر پابندی لگادی جائے تو یہ بھی شرعاً جرم ہوجائے گا؟

جواب: نماز فرائض میں سے ہے۔ اور اذان اسلام کا شعار ہے اور یہ ساری چیزیں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور یہ سب کی سب عبادت ہیں، اللہ کی عبادت کبھی بھی کسی حال میں جرم نہیں ہوتی۔ اس لیے اگر کبھی قانوناً (معاذاللہ) پابندی لگی، خدانہ کرے کبھی ایسا ہو، تو گھر میں نماز پڑھنا فرض ہوگا۔ عبادت عبادت ہی رہے گی، عبادت کبھی جرم یا ممنوع نہیں ہوگی۔ چین وغیرہ ممالک میں جہاں کمیونسٹ کی حکومت ہے وہاں اعلان کے ساتھ شعائر کی ادائیگی پر پابندی ہے تو وہاں کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں خاموشی کی ساتھ یہ شعائر ادا کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اذانیں دیتے ہیں، سارے کام کرتے ہیں تو وہاں اعلان کی حد تک قانون کی رعایت ہوگی اصل عبادت پر اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں سرور کائنات ﷺ کا فرمان وعمل ایسے حالات کے لیے اُسوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فکر امروز

پیاسوں کو پانی پلائیں

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بے شمار نعمتوں سے نوازا اور ان نعمتوں کی خصوصیت وافادیت کا ذکر بھی فرمایا بلا شبہ انسان وتمام جانداروں کے لیے ہوا، پانی، کھانا، انتہائی ضروری ہے اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتے ہیں جہاں جینے کے لیے صاف ستھری ہوا ضروری ہے وہیں کھانا پانی بھی ضروری ہے۔ اللہ رب العزت کی حکمت دیکھیں اپنی تمام مخلوق کی ضرورت کے لیے اشیا (کھانے پینے کی چیزیں) پیدا فرمائیں یہ اور بات ہے کہ آج اس کی مخلوق میں انسان جو اشرف المخلوق ہونے کا شرف رکھتا ہے انھیں کا ایک بڑا طبقہ اس کی قدر نہیں کر رہا ہے بلکہ نعمتوں کی بربادی بے قدری کا کوئی راستہ باقی نہیں رکھ رہا ہے، اس کی تفصیل پھر کبھی۔ ہوا، پانی، کھانا، جیسی نعمتوں کا مختصر ذکر بغور پڑھیں اللہ رب العزت فرمارہا ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِیْدِ. (القرآن۔ سورہ:ق-۵۰، آیت نمبر ۹)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا تو اس سے باغ اگائے اور اناج کہ کاٹا جاتا ہے۔ (کنزالایمان)

رب فرمارہا ہے کہ ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا اس سے باغات لہلہا جاتے ہیں طرح طرح کے پھل میوے ہوتے ہیں جسے تم کھاتے ہو کھیتیاں سیراب کردیں جن سے اناج پیدا ہوا جسے تم کھاتے ہو اونچے اونچے کھجور کے درخت اگائے جو بھرپور میوں سے لدے رہتے ہیں یہ سب مخلوق کی روزیاں ہیں اور اس پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کردیا وہ سرسبز وشاداب ہوگئی اور خشکی کے بعد تروتازہ ہوگئی اور سوکھے چٹیل میدان لہلہانے لگے جسے تمھارے جانور کھاتے ہیں اور تم انکا دودھ پیتے ہو۔ پانی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگا ئیں کہ رب کریم نے پانی کو بابرکت بتایا کسی چیز کی خوبی کو بیان کرنا وہ بھی باعث برکت بتانا یہ خوبی تو ہزاروں خوبیوں سے بڑھ کر ہے۔

پانی زمین کی زندگی، انسان کی زندگی، اور ہر ذی روح کی زندگی ہے پیڑ، پودوں، پتوں، پھولوں، سبزیوں، پھلوں، میوں، وغیرہ وغیرہ سب کے سب پانی کے ہی محتاج ہیں کیوں کہ اللہ رب العزت فرمارہا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ. (سورہ انبیاء ۲۱، آیت ۳۰)

ترجمہ: اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان لائیں گے۔ (کنزالایمان)

پانی ہماری نعمتوں میں سے ہے کہ بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے نکلتا ہوا پانی، خوش گوار ہلکا زود ہضم پانی تمھیں پلایا صرف تمھیں ہی نہیں بلکہ اور مخلوق اور تمھارے جانوروں کے لیے بھی کھانے پینے کا انتظام کیا۔

ترجمہ: تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔ (سورہ طہٰ ۲۰، آیت ۵۴ کنزالایمان)۔

ترجمہ: اور ہم نے تمھیں خوب میٹھا پانی پلایا۔ (سورہ، المرسلات ۷۷، آیت ۲۷، کنزالایمان)

ترجمہ: وہ جس نے آسمان وزمین بنائے اور تمھارے لیے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے باغ اگائے رونق والے تمھاری طاقت نہ تھی کہ ان کے پیڑ اگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ وہ لوگ راہ سے کتراتے ہیں۔ (سورہ النمل ۲۷، آیت ۶۰، کنزالایمان)

اللہ رب العزت ہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کی وجہ سے زمین سے ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔ کھیتیاں، باغات قسم قسم کے ذائقے دار میوے تاکہ تم کھاؤ اور تمھارے جانوروں کا چارہ بھی رب العالمین نے ہی پیدا فرمایا ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ساری مخلوق کی روزی کا ذمہ کرم اپنے فضل ورحمت سے لیا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمئہ کرم پر نہ ہو۔ (سورہ ھود-۱۱، آیت ۶، کنزالایمان)

ساری مخلوقات چھوٹی بڑی، خشکی یا تری میں ہیں ان سبھی کو رزق

اللہ دیتا ہے۔ تمام جہانوں کا پالنے والا رب کب یہ پسند فرمائے گا کہ اس کی مخلوق بھوکی یا پیاسی رہے اس نے تمام انتظام فرمادیے ہیں کہ وقت پر ہر مخلوق کو کھانا پانی ملتے رہیں رحیم وکریم رب نے اپنے بندوں کی بھوک مٹانے پیاس بجھانے پر بے پناہ اجر وثواب کا اعلان فرمایا ہے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا جہنم سے آزادی کا پروانہ:

حضرت درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وَّافَقَ مِنْ اَخِیْہِ شَھْوَ ۃً غُفِرَ لَہٗ.

یعنی جس مسلمان کا جی کسی کھانے پینے کا یا کسی قسم کی حلال چیز کو چاہتا ہو، اور دوسرا اس کے لیے وہی شے (چیز) مہیا کردے اللہ عزوجل اس کی مغفرت فرمادے گا۔ (طبرانی)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنادے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز کپڑے پہنائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا، اللہ رب العزت رحیق مختوم (یعنی جنت کی شراب پلائے گا (سنن ابو داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، حدیث ۱۶۸۲، بہار شریعت ج ۲، ص ۱۸۰)

فضائل صدقات پر احادیث مبارکہ میں کثیر ذخیرہ موجود ہے جو کہ حدیث کی کتابوں میں رقم ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب: رَادُّالْقَحطِ وَالْوَبَاءِ بِدَعْوَۃِ الْجِیْرَانِ وَ مُوَاسَاۃِ الْفُقَرَاءِ۔ مشہور نام "فوائد صدقات" میں شرح وبسط کے ساتھ بڑی پیاری ترکیبیں لکھی ہیں چند ملاحظہ فرمائیں اور عمل کی کوشش کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اَطْعَمَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ شَھْوَ تَہٗ حَرَّ مَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ.

جو اپنے مسلمان بھائی کو اس کی چاہت کی چیز کھلائے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کردے گا۔ (بیہقی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مِنْ مُّوْجِبَا الرَّ حْمَۃِ اِطْعَا مُ الْمُسْلِمِ الْمِسْکِیْنِ.

رحمت الٰہی کو واجب کردینے والی چیزوں میں ہے غریب مسلمان کو کھانا کھلانا۔ (بیہقی)

ایک بہت پیاری حدیث مطالعہ فرمائیں اس حدیث پاک کے بہت سے صحابۂ کرام راوی ہیں۔ اس حدیث پاک میں لوگوں کو کھلانے پلانے پر اللہ رب العزت درجہ بلند فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَ لدَّ رَجَاتُ. اِفْشَاءُ السَّلَامِ، وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ، وَالصَّلٰوۃُ بِالَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ.

یعنی اللہ عزوجل کے یہاں درجہ بلند کرنے والے ہیں سلام کا پھیلانا اور کھانا کھلانا اور رات کو نماز ادا کرنا، اور رات کو لوگ سو رہے ہوں۔

مرقاۃ شریف میں ہے:

اِطْعَامُ الطَّعَامِ اَیْ اِعْطَاءُہٗ لِلْاَنَامِ مِنَ الْخَاصِّ وَالْعَامِّ.

کھانا کھلانا یعنی مخلوق میں عام، خاص سب کو کھلانا گناہ مٹانے والے (کام) ہیں۔

کھانا کھلانا اور سلام کرنا اور شب کو نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان بندوں سے جو لوگوں کو کھلاتے ہیں فرشتوں کے ساتھ مباہات (فخر) فرماتا ہے (کہ دیکھو فضیلت اسے کہتے ہیں۔

ایک اور حدیث اس حدیث کے راوی کئی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے مسلمان بھائی کو پیٹ بھر کھانا کھلائے پیاس بھر پانی پلائے اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے سات کھائیاں دور کرے ہر کھائی سے دوسری کھائی تک پانچ سو برس کی راہ ہے۔

(طبرانی، بیہقی، وغیرہ وغیرہ)

پیاسوں کو پانی پلائیں لاعلاج بیماری سے شفا پائیں:

بہت مشہور حدیث پاک ہے گذشتہ امت میں ایک عورت نے ایک کتے کی پیاس بجھائی تو اللہ نے اس کی تمام خطائیں معاف فرمادیں اور جنت عطا فرمائی۔ اللہ رب العزت نے پانی کی خوبیوں میں یہ بات بیان فرمائی کی ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا، ظاہر سی بات ہے جسے رب تبارک وتعالیٰ برکت والا بتائے اس سے برکت ضرور ملے گی۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں بیان فرماتے ہیں:
عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے فرمایا پانی لاؤ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا (برسایا) پھر فرمایا شہد لاؤ اور آیت ۔ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ پڑھی کہ اس میں شفا ہے لوگوں کے لیے، پھر فرمایا روغن زیتون لاؤ اور آیت پڑھی کہ برکت والے پیڑ سے ہے پھر ان سب کو ملا کر نوش فرمایا، شفا پائی۔

(بدعوۃ الجیران و مواساۃ الفقراء، ص۳۹)

لوگوں کو پانی پلانے سے لاعلاج بیماریوں سے شفا ملتی ہے ۔
ملاحظہ فرمائیں علی بن حسین بن شفیق فرماتے ہیں :
میرے سامنے ایک شخص نے امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا اے ابو عبد الرحمٰن سات برس سے میرے ایک زانو میں پھوڑا ہے، قسم قسم کے علاج کیے طبیبوں سے رجوع کیا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ فرمایا: جا ایسی جگہ دیکھ جہاں لوگوں کو پانی کی ضرورت ہو، وہاں ایک کنواں کھود اور (براہ کرامت یہ بھی) ارشاد فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ وہاں تیرے لیے ایک چشمہ نکلے گا اور تیرا یہ خون بہنا تھم جائے گا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اچھا ہو گیا۔

دلچسپ اور ایمان افروز حکایت پڑھیں، امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ ہمارے استاد ابو عبد اللہ حاکم (صاحب مستدرک) کی حکایت ہے کہ ان کے منھ میں پھوڑے نکلے، طرح طرح کے علاج کیے نہ گئے۔ قریب ایک سال اسی حال میں گزرا انھوں نے ایک جمعہ کو امام استاد ابو عثمان صابونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کی مجلس میں دعا کی درخواست کی۔ امام نے دعا فرمائی اور حاضرین نے بکثرت آمین کہی دوسرا جمعہ ہوا کسی بی بی (شریف اور معزز عورت) نے ایک رقعہ مجلس میں ڈال دیا اس میں لکھا تھا کہ میں اپنے گھر پلٹ کر گئی اور شب کو ابو عبد اللہ حاکم کے لیے دعا میں کوشش کی، خواب میں جمال جہاں آرا حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

قُوْلِیْ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ یُوْسِعُ الْمَاءَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ.

ترجمہ: ابو عبداللہ سے کہہ مسلمانوں پر پانی کی وسعت کرے۔
امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں وہ رقعہ اپنے استاد ابو عبد اللہ حاکم کے پاس لے گیا انھوں نے اپنے دروازے پر سقایا (پانی کا حوض) بنانے کا حکم دیا، جب بن چکا اس میں پانی بھر دیا اور برف ڈالی اور لوگوں نے پینا شروع کیا ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ شفا ظاہر ہوئی پھوڑے جاتے رہے، چہرہ اس سے اچھا ہو گیا جیسا کبھی نہ تھا اس کے بعد برسوں زندہ رہے۔

احادیث و سیرت کی کتابوں میں بہت سی عبرت ناک حکایات موجود ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے ان سے سبق لیں اور خاص کر جو لمبی بیماریوں میں مبتلا ہیں ان کو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے طریقوں پر عمل کرنا چاہیے تاکہ بیماریوں سے نجات ملے ڈاکٹروں کی بڑی بڑی فیس اسپتالوں کے بڑے بڑے بل ادا کرکے بھی نجات حاصل نہیں کر پا رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ اس پر ایمان رکھیں اور سچی نیت سے اس پر عمل کریں بھوکوں کو کھلائیں اور پیاسوں کو پانی پلائیں دیکھیں ضرور لاعلاج بیماریوں سے شفا پائیں گے۔

آسٹریلیا کی مشہور منرل کمپنی آرگینک اسپرنگ (Organic Spring) نے اپنے پانی کے بوتل پر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان لکھ رکھا ہے۔

(Do not waste water even if you were at a running stream)

ترجمہ: پانی ہرگز برباد نہ کرو گرچہ تم سمندر کے پاس ہی کیوں نہ ہو۔

راستہ چلتے ہم پانی کی جو بوتلیں خریدتے ہیں پانی پی کر ان کو پھینک دیتے ہیں ان کو قطعی نہ پھینکیں ان بوتلوں کو جمع کریں جب دس بیس بوتلیں ہو جائیں پانی بھر کر جھولا میں بھر کر بس اسٹیشنوں چوراہوں ریلوے اسٹیشنوں پر پیاسوں کو بانٹ دیں آپ کو ثواب بھی ملے گا، بیماری سے نجات بھی ملے گی، قلبی و ذہنی سکون بھی ملے گا اور بھی بہت سے طریقے ہیں جن کو کر کے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔

آئیے ہم سب مل کر عہد کریں کہ یہ کام ضرور کریں گے، کل سے نہیں ان شاء اللہ آج ہی سے کریں گے اس میں شرمانے کی ضرورت نہیں نہ جانے ہم دن میں کتنے ایسے کام کرتے ہیں جو یقیناً شرم کے باعث ہوتے ہیں لیکن ہمیں احساس تک نہیں ہوتا اور یہ کام تو اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری اور ہمارے فائدے کا ہے۔ اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

☆☆☆

شعائر

لاٹری

فقہاے اسلام کی نظر میں

ریحان المصطفیٰ نظامی

لغوی اعتبار سے لاٹری قرعہ اندازی کو کہتے ہیں، لیکن اب عرفی اعتبار سے اس کا مطلب محض قرعہ اندازی نہیں ہے **بلکہ جب بھی مطلق لاٹری کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مخصوص ہار جیت والی لاٹری مراد ہوتی ہے، جو بلا شبہہ حرام ہے،** اس لیے کہ اس میں لاکھوں افراد سے کروڑوں کی رقم بغیر کسی معاوضے کے محض انعام کا لالچ دے کر حاصل کیا جاتا ہے اور چند افراد کو تھوڑی سی رقم دے کر بقیہ شرکا کو رقم سے محروم کر دیا جاتا ہے، اسی کے پیشِ نظر **فقہاے اسلام نے عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ لاٹری جوا کا ہی دوسرا نام ہے، ناجائز و حرام ہے۔**

اب ہم ذیل میں چند ایسے فقہاے اسلام کے فتاوے سوال و جواب کی شکل میں نذرِ قارئین کر رہے ہیں جن کا متفقہ فیصلہ ہے کہ لاٹری حرام ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں لاٹری جس کی صورت بالعموم یہ ہوتی ہے کہ کوئی کمپنی یا فرد ٹکٹ چھاپ کر ایک روپیہ یا اس سے زائد کا فروخت کرتا ہے اور لینے والے چھپی ہوئی رقم اس ٹکٹ کے بدلے دیتے ہیں، جس سے کمپنی ایک خطیر رقم مثلاً دس بیس لاکھ روپے جمع کر لیتی ہے، پھر ایک دن قرعہ کے ذریعہ چند ٹکٹ خریدنے والوں کو اس جمع شدہ رقم سے ایک معمولی رقم انعام کہ کر دے دیتی ہے، باقی کثیر تعداد میں ٹکٹ خریدنے والوں کو کچھ نہیں ملتا سواے کفِ افسوس ملنے کے، تو ایسی کمپنی کو چلانا، اس کا ٹکٹ بیچنا، اس کا کمیشن یا تنخواہ کھانا، اس کے ذریعہ جسے انعام کی رقم ملے اس کا لینا اور اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کرنا، لاٹری کا ٹکٹ محض انعام کی امید پر خریدنا اور اس میں حلال کمائی کا پیسہ گنوانا شرعاً کیسا ہے؟ عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں واضح جواب ارشاد فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

دار الافتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور

الجواب: لاٹری کا کاروبار خالص جوا یا جوے پر اعانت ہے۔ بیع کی مشروعیت یا انعام کی نعمت سے اس کا کوئی علاقہ نہیں، اس لیے سوال میں دریافت کیے گئے پانچوں امور حرام و گناہ ہیں، کہنے کو ٹکٹ کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور خریدار کو انعام ملتا ہے، مگر یہ واقع میں نہ خرید و فروخت ہے نہ انعام۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اول تو اس کے مال ہونے میں کلام ہے کہ وہ جس کی طرف طبائع میل کریں اور وقت حاجت کے لیے ذخیرہ رکھا جائے، یہ ٹکٹ دونوں وصف سے خالی ہے،

کشف الکبیر و بحر الرائق و رد المحتار میں ہے:

المراد بالمال مايميل اليه الطبع و يمكن ادخاره لوقت الحاجة.

اس تقدیر پر تو یہ بیع سرے سے محض باطل ہوگی:

لانه مبادلة مال بمال . كما في الكنز والملتقى وغيرهما. (فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۹۶)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے کہ روپیہ دے کر دو انگل کا محض بیکار پرچہ کاغذ مول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، لاجرم بیع وغیرہ سب بالاے طاق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۹۵)

اور اگر بالفرض مال ہو تو کم از کم اتنا تو یقینی ہے کہ یہ بیع بشرط فاسد ہے، بوجہ عرف بائع و مشتری دونوں کے نزدیک یہ امر طے شدہ کہ قرعہ اندازی میں خریدار کو بھی شریک کیا جائے گا اور اس کا نام نکلے تو ٹکٹ کے لحاظ سے متعیّنہ رقم بھی دی جائے گی اور فقہا فرماتے ہیں کہ جو چیز عرفاً معلوم ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے۔ ”المعروف کالمشروط“ بلکہ یہ شرط لاٹری کمپنیوں کے دستور میں داخل ہے تو یہ بیع بالشرط ہوئی جو خود ہی فاسد و ناجائز ہوتی ہے، اس تقدیر پر ٹکٹ کے علاوہ بھی نام سے جو رقم پائے گا وہ عوض سے خالی ہونے کی وجہ سے ربا و سود ہوگی جس کی حرمت اظہر من الشمس ہے۔

حدیث میں ہے:

نهىٰ رسول الله ﷺ عن بيع و شرط، الطبراني في الأوسط والحاكم في علوم الحديث.

رسول اللہ ﷺ نے بیع بشرط (فاسد) سے منع فرمایا۔"

(درایہ بحوالہ طبرانی وغیرہ مع ہدایہ، ج:۳، ص:۴۳، باب البیع الفاسد)

نیز ہدایہ میں ہے:

"کل شرطٍ لا یقتضیه العقد و فیه منفعةٌ لاحدِ المتعاقدین یُفسِدُهُ لِاَنَّ فیه زیادةً عاریةً عن العوض فیؤدّی إلی الربو." (ص:۴۳، ج:۳)

اور حق یہ ہے کہ اس معاملہ کا عقد و بیع سے کوئی لگاؤ نہیں، یہ تو خالص جوابازی کا معاہدہ ہے، ٹکٹ بیچنے اور خریدنے والوں کے مقاصدِ فاسدہ پر نظر ڈالیے تو واضح ہوگا کہ یہ لوگ حصولِ مال کی طمع اور امیدِ موہوم پر ٹکٹ کی خریداری کی شکل میں پانسہ ڈالتے ہیں اور اپنی اس کارکردگی کے ثبوت کے لیے ایک ٹکٹ اپنے پاس رکھتے ہیں تو یہ ٹکٹ کی خریداری نہ ہوئی بلکہ جوئے کا پانسہ ڈالنا ہوا اور جوابازی بلا شبہہ حرام و گناہ ہے۔

قرآن حکیم میں اسے گندگی اور شیطانی کام قرار دیا گیا ہے: "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ"، جوا، پانسہ ڈالنے والے کو خریدار کہنا اور جیتی ہوئی رقم کو "انعام" کے خوب صورت لفظ سے موسوم کرنا در حقیقت ابلیس لعین کی ایک چال اور شیطانی فریب ہے، وہ مکار ناحق اور بری چیزوں کو مزین کرکے پیش کرتا ہے تاکہ خلقِ خدا اس کی نمائش کے جال میں پھنس کر گمراہ ہو۔ چناں چہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِيَرْضَوْهُ وَ لِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝"

(پ:۸، سورہ انعام، آیت:۱۱۲، ۱۱۳)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے کچھ بنائے شیطان، آدمی اور جن کہ ایک دوسرے کے دل میں جھوٹی بات ملمع کی ہوئی ڈالتے ہیں ایک تو فریب دینے کو (اور تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے، تو تو چھوڑ دے انھیں اور ان کے باندھے جھوٹ کو) دوسرے اس لیے کہ اس باطل کی طرف ان کے دل جھک جائیں جنھیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور اس کے ذریعہ سے کمائیں جو انھیں کمانا ہے۔

(مثلاً کوئی دنیا میں لاٹری یا جوئے کے ذریعہ ناجائز رقم کمائے اور آخرت میں وبال وعذاب کا مستحق بنے، والعیاذ باللہ)

شیطان کمپنی والوں کو یہ ترکیبیں سکھاتا ہے اور عوام الناس کے سامنے خوب صورت شکل میں پیش کرتا ہے تو دونوں اس کی پیروی کرتے ہیں اور حصولِ مال کی طمع میں گناہ کے کام میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس طرح سب کے سب خدائے تعالیٰ کے نافرمان، مستحقِ غضبِ جبار و عذابِ نار ہوتے ہیں، چوں کہ لوگوں کو بیوقوف بناکر ان کا مال لوٹنے کے لیے ہی کمپنی والے یہ جال پھیلاتے ہیں اس لیے ان پر اپنا گناہ الگ ہوگا اور ان کے شرکائے کار، دنیاداروں کا گناہ ان پر لدے گا۔ لاٹری کمپنی کے ارکان، ایجنٹ ممبران سب پر فرض ہے کہ جس سے جتنی رقم وصول کی ہے اسے وہ رقم واپس کردیں، بارگاہِ خداوندی میں سچے دل سے اعلانیہ تائب ہوکر اصلاحِ حال کریں اور پھر کبھی اس لعنت کے قریب نہ جائیں، ارشادِ باری ہے:

" وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝" (سورۃ الانعام، آیت:۶۸)

اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو ہر جگہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی بستی کے ایسے بے راہ رو افراد کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد شریف الحق امجدی

کتبہ محمد نظام الدین الرضوی

(ماخوذ از کتاب: لاٹری کیا ہے؟ ص:۲۵)

دار الافتا جامع اشرف، کچھوچھہ شریف

الجواب: لاٹری کوئی عقد شرعی نہیں بلکہ یہ قمار اور جوا ہے کہ اس میں حرص وطمع کا ایک جال اور محض امید موہوم پر داؤں، پانسہ لگانا ہوتا ہے۔ اس میں تو کبھی کئی چیزیں اور کبھی نقد کی ایک مقررہ رقم ہوتی ہے، اس کو اول، دوم، سوم وغیرہ کئی خانوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، داؤں لگانے والے کو نہ اپنے حصے کی چیز ہی معلوم ہے نہ کسی متعیّنہ خانہ کی چیز یا نقد ملنے ہی کا یقین ہے، اسی وجہ سے کاروبار کے مالک کا زیادہ فائدہ اور گاہک کو بہت ہی کم مرتبہ فائدہ پہنچتا ہے، بلکہ نامرادی اکثر ہوتی ہے، ایسے معاملات ہی کے لیے وعید قرآنی ہے:

" يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "

(پ:۵، سورۃ النساء، ۲۹/۴)

(باقی ص:۲۵ پر)

علمی تحقیق

قرآن کے علمی وفنی محاسن

مولانا محمد فروغ القادری

محمد وہ کتاب کون کے طغرائے پیشانی
محمد وہ حریم قدس کے شمع شبستانی
وہ ناطق جس کے آگے مہر بر لب بلبل سدرا
وہ امّی جس کے آگے عقل کل طفل دبستانی

قرآن عظیم انسانی فلاح ونجات کے لیے خداوند قدّوس کا آخری فرمان ہے۔ جو کون و مکاں کے تاجدار، عالم نور کے پیکر لطیف حضور نبیِ اکرم ارواحنا فداہ کے ذریعے عالم انسانیت کی ہدایت کے لیے اتارا گیا۔ اللہ ربّ العزّت کا اس امّت مرحومہ پر یہ بے پایاں احسان ہے کہ اس نے ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ''کو خوش خبری سنائی اور دین اسلام کی تکمیل فرما کر اس کی حفاظت کا ناقابل تسخیر انتظام فرمایا۔

صبح قیامت تک کے لیے قرآن عظیم کو تحریف لفظی سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے مخصوص اور منتخب بندوں کے امانت دار سینوں کو اس کا محافظ بنادیا، اور شارع اسلام علیہ الصلاۃ والسّلام کے قول وفعل کو حجت بنا کر معانی قرآن میں تحریفی عمل کا ہمیشہ کے لیے سدّباب فرمایا۔ قرآن عظیم تمام آسمانی کتابوں میں افضل اور تمام حکمتوں اور خوبیوں کا منبع اور سر چشمہ ہے۔ یہ ایک ایسی حیرت انگیز کتاب ہے جو ہمیں مملکت الٰہی اور آفاق و انفس کا مشاہدہ کرواتی ہے۔ عرصۂ حیات میں وہ غیر مرئی طاقت جو اس کائناتی نظام میں اپنا براہ راست اثر ونفوذ رکھتی ہے۔ وہ مابعد الطبیعی حقیقتیں جنھیں نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں یہ کتاب اپنی سحر انگیز تاثیر سخن کے ساتھ حالات و واقعات کی ایسی منظر کشی کرتی ہے کہ ''عالم غیب'' ''عالم شہود'' کی منزل میں محسوس ہوتا ہے۔ بلکہ ایک مدبّر کائنات کا زندہ تصور نگاہوں کے سامنے لاکر رکھ دیتی ہے۔ قرآن عظیم کا مطالعہ انسانی فکر ونظر کو ایسے مقام پر لاکر کھڑا کر دیتا ہے جہاں اسے اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ فضائے بسیط کا انتظام کسی کے ذمّۂ کرم میں ہے۔ جو اشیا کو عالم عدم سے عالم وجود میں لاتا ہے، کائنات کے ایک ذرّے پر جس کی قدرت کاملہ کی پہرہ داری ہے۔ وہ ہمارا خدا ہے۔ جو ربّ العالمین اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ شرق وغرب کی ساری وسعتیں اس کی بارگاہ عظمت پر سر خمیدہ ہیں۔

''وہ جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب۔''

قرآن عظیم کی فصاحت وبلاغت اور اعجاز تاثیر کی ایک بنیادی وجہ اس کی جامعیت ہے۔ وہ اقوام عالم کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے، سلسلۂ ترسیل رُسل اور نزل صحف آسمان کی تمام تر اخلاقی تعلیمات کا جامع ہے۔ قرآن عظیم میں اخلاق و مواعظ بھی ہیں، اور احکامات و فرائض بھی، سلیقۂ مناجات بھی ہے، اور شعور عبادت بھی، امثال وشرائع بھی ہیں اور توضیح وتبیین بھی۔ نظام کائنات سے متعلق ایسی کوئی بات نہیں جس کی وضاحت اس کتاب مقدس میں نہ کی گئی ہو۔ قرآن عظیم کی تلاوت اور اس کے مفاہیم ومعانی میں تدبر تفکر افضل ترین عبادت ہے۔ بلکہ اسلامی نظام حیات کی تمام تر عمارت اسی پر استوار ہے۔ یہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان عقیدت کیش مسلمانوں کی فیروزہ بختی ہے کہ انھوں نے قرآن عظیم کے لازوال پیغام عمل کے ساتھ اپنے سینوں کو منوّر کیا۔ اور اس بحر ذخار میں غوّاصیوں کے بعد علوم وفنون کے ایسے ایسے لعل و جواہر دنیا کے سامنے پیش کیے، جن کی سابقہ اقوام و ادیان میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ کسی نے لغات قرآنی، تحریر کلمات، مخارج وحروف، اور عدد حروف وکلمات وآیات کو موضوع سخن بنایا۔ کسی نے معرب ومبنی، اسما وافعال اور حروف قرآن کو، اور کسی نے قرآن عظیم کے عقلی دلائل اور اصول وشواہد کو سامنے رکھ کر اصول دین کا استنباط کیا۔ اور کسی نے عموم وخصوص، حقیقت ومجاز، ظاہر ومجمل، محکم ومتشابہ، امر ونہی، حلال وحرام کے اعتبار سے اصول و فروع کا تعین کیا، اور کسی نے قرآن عظیم کے الفاظ کی عمدگی، نظم کی خوبی، سیاق وسباق کے حسن اور ایجاز واطناب کی طرفہ طرازیوں پر قلم اٹھایا اور معانی وبدیع جیسے علوم سے دنیا پہلی بار آشنا ہوئی، قرآن عظیم کی عبارت ایسی فصیح وبلیغ اور مضامین ایسے عالی ظرف ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک ناصح نصیحت کر رہا ہے اور ایک ماہر حکیم وفلسفی حکمت الٰہی بیان کر رہا ہے۔ یہ دراصل قرآن عظیم کا

اعجاز ہے کہ اس کے نزول کو صدیاں گذر گئیں تاہم جب بھی اس کا مطالعہ یکسوئی فکر و نظر کے ساتھ کیا جائے گا اس میں دنیا و آخرت کی فلاح و بہبودی کے تمام اسباب اپنی کرشمہ سازیوں کے ساتھ پائے جائیں گے۔ "ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔"

قرآن عظیم اپنی فصاحت وبلاغت اور ایجاد معانی و مطالب کی بنیاد پر اپنی ذات میں اس بات کی علامت ہے کہ وہ خالق کائنات کی نازل کردہ کتاب ہے جو اپنی ابتدائی صورت کے ساتھ آج بھی موجود ہے جیسا کہ وہ ساتویں صدی عیسوی میں پیغمبر گرامی وقار ﷺ پر اترا تھا۔ ان خصوصیات نے قرآن عظیم کے پیغام کو اس قدر مضبوط اور منظم بنا دیا ہے کہ جب بھی اسے پڑھا جائے گا اقوام عالم کے دل و دماغ کو مسخر کرے گا۔ قرآن عظیم جو اس وقت دنیا میں موجود ہے بلاشبہ وہ حرفاً حرفاً وہی جو منزل من السماء ہے۔ اس حقیقت پر خود غیر مسلم مفکرین کی شہادتیں اور اعترافات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ہاں البتہ بعض مستشرقین یورپ نے عہد صحابہ میں قرآن عظیم کے مختلف طرق تلاوت کو کلام الٰہی کے غیر متبدّل ہونے پر سوالیہ نشان لگائے ہیں، ساتھ انھوں نے ایسے مصاحف کا بھی ذکر کیا ہے جو "صحف عثمانی" سے مختلف تھے، لیکن ان تمام اعتراضات کا حقائق پسندانہ جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سراسر وضعی، ضعیف اور صاحب قرآن کی ذات گرامی کے ساتھ ان مستشرقین کے قلبی عناد اور فکری انحراف کا نتیجہ ہے چنانچہ خود مغرب کے متعدّد ارباب وفکر و نظر نے اپنی ذاتی تحقیق کے بعد اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے کہ قرآن عظیم غیر محرّف اور ہر طرح کے تغیر و تبدّل سے محفوظ ہے۔ مثلاً مشہور مستشرق HORTWIG HIRSCFELD اپنی کتاب

"NEW RESEARCHES INTO THE COMPOSITION AND EXEGESIS OF THE QURAN"

میں لکھتا ہے کہ:

"عہد حاضر کے نقّاد اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس اصلی نسخے کا ہو بہو عکس ہیں، جسے (حضرت) زید نے لکھا تھا اور قرآن کا متن بعینہ وہی ہے جیسے پیغمبر اسلام محمّد (ﷺ) نے اپنے کاتب سے لکھوا دیا تھا۔" (SIR WILLIAM MURE) "سر ولیم میور" جیسا متعصّب اہل قلم اپنی کتاب "LIFE OF MOHAMMAD" میں لکھتا ہے:

"یہ یقینی بات ہے کہ قرآن جس شکل میں ہمارے پاس اس وقت موجود ہے یہ بعینہ اسی شکل میں ہے (حضرت) محمد ﷺ کی زندگی میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا۔"

اسی طرح سر جان ہمرٹن SIR JOHN HAMMERTON (1871-1949) کے زیر اہتمام یہاں لندن میں "یونیورسل انسائیکلو پیڈیا" جو گیارہ جلدوں میں شائع ہوا تھا۔

NOTE:- HARMSWOTH'S UNIVERSAL ENCYCLOPEDIA IS AN ENCYCLOPEDIA, EDITED BY JOHN HAMMERTON AND PIBLISH IN LONDON BY THE EDUCATION BOOK CO. IN 1922.

اس میں قرآن کے عنوان سے جو مقالے درج ہیں اس میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ:

"یہ کتاب پیغمبر اسلام محمد (ﷺ) کی زندگی کے آخری ۲۳ر سالوں میں مکہ اور مدینہ دونوں مقامات پر نازل ہوئی۔ اور مسلمانوں کے عقیدے میں یہ کلام الٰہی ہے، بہ خلاف حدیث کے جو مجموعۂ کلام رسول ہے قرآن پیغمبر اسلام کی زندگی میں انھیں کی نگرانی وہدایت کے مطابق ضبط تحریر میں آگیا تھا۔ ان کے جانثار صحابہ نے حیرت انگیز طور پر اسے حفظ کر لیا تھا۔ اور معمول آج تک جاری ہے۔ چنانچہ دنیا بھر میں صدہا مسلمان قرآن عظیم کے حافظ ہیں اور بغیر کسی خطائے لفظی کے اسے دہرا سکتے ہیں۔ اس کتاب کا دعویٰ ہے کہ اس میں تمام کتب آسمانی کے حقائق سمو دیے گئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اللہ کی آخری اور ناقابل تغیّر کتاب ہے۔ نیز یہ کہ نوع انساں کے لیے جامع ترین دستور العمل ہے۔ مذکورہ باتوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اسلام دین فطرت کی آخری توضیح، اور یہی دین، حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور سارے قدیم انبیا کا رہ چکا ہے۔ ان تمام تر تفصیلات کے بعد یہ کہنا حد درجہ باوثوق ہو گا کہ "اسلام کا غیر محرّف ہونا مسلّم ہے۔"

یہاں یورپ میں رہتے ہوئے مجھے اکثر و بیشتر "بین المذاہب کانفرنسوں" INTER-FAITH-CONFERENCES میں جانے کے مواقع رہتے ہیں اپنی مذہبی عظمت اور اس کے داعیات کو بیان کرتے ہوئے مسیحی علما سے میں نے متعدّد مقامات پر یہ سنا ہے کہ "یہ انجیل مقدس (بائبل) وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر جلوہ گر ہوئے تھے۔ مگر اس دعوے کے ثبوت میں ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت دنیا کے چند مشہور مذاہب کی جو کتابیں موجود

ہیں، ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جس کے متعلق خود ان مذاہب کے متبعین کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ اپنی اصلی اور غیر محرّف شکل میں وہی ہیں، جو ان کے مذہب کے بانی نے انھیں دی تھیں۔ یہ تمام کتابیں انسانی تحریفات کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہیں۔ لہٰذا! ان کتابوں کے مطابق عمل کرنے سے کوئی بھی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی راہ نمائی کا اتباع کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ کہنا کہ اگر دنیا کے مختلف مذاہب کے پیرو کار اپنے اپنے مذہب کی کتابوں پر کاربند ہو جائیں، تو بعض حلقوں ان کے متعلق تسلیم کیا جائے کہ سچائی کے راستے پر ہیں، یہ حقیقت سے براہ راست انکار ہے۔ جب کسی مذہب کے پاس اسلام کے علاوہ آسمانی تعلیمات منزّہ شکل میں موجود ہی نہیں، تو ان کے لیے خدائی احکامات پر عمل پیرا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ان تمام تر کتب آسمانی کی تعلیمات و صداقت قرآن عظیم کے اندر موجود ہے۔ جو اس ربّ کائنات جلّ شانہٗ کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے ان تمام کتب سابقہ کو اپنے منتخب انبیا و رُسل پر نازل فرمایا تھا۔ قرآن عظیم قدرت کا وہ شاہ کار ہے اس میں وہ ساری تعلیمات یکجا کر دی گئی ہیں جو اصولی طور پر کتب سابقہ میں وقتاً فوقتاً دی جا رہی تھیں۔

انبیائے سابقین صرف اپنی اپنی قوم کی طرف تشریف لاتے رہے۔ لیکن رسول اعظم ﷺ کو مختار کل بنا کر تمام دنیا کے انسانوں کی طرف بھیجا گیا۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا (۱۵۹/۷)

ترجمہ: تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (کنزالایمان)

جب "نوع انساں" سے کہا گیا تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اس میں قیامت تک آنے والے انسان شامل ہیں۔ چنانچہ اس کی وضاحت کر دی کہ اگرچہ اس رسول کے اوّلین مخاطب وہی قوم ہے، جس میں یہ جلوہ گر ہوئے تھے۔ تاہم یہ ان کے علاوہ ان انسانوں کے لیے بھی رسول ہیں جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ (۱۱۶/۶)

ترجمہ: اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں۔ (کنزالایمان)

جو کتاب ہر طرح سے مکمل ہو، اس میں کسی طرح ردّ و بدل کی گنجائش نہ ہو، تمام عالم انسانی کے لیے آسمانی ہدایت اور ضابطہ حیات ہو، اس کا محفوظ رہنا بلا شبہ ضروری تھا۔ لہذا اس کتاب کے نازل کرنے والے نے اس کی حفاظت خود اپنے ذمۂ کرم میں لے رکھی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ ۔(۹/۵)

ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (کنزالایمان)

قرآن عظیم تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لیے خدا کی آخری کتاب ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی بھی خدا ہی کی طرف سے جلوہ گر ہوتے ہیں تاکہ وہ وحیِ الٰہی کو عام انسانوں تک منتقل کر سکیں۔ جب وہ وحی اپنی مکمل غیر متبدل اور محفوظ شکل میں انسانوں کے پاس موجود ہو تو پھر کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے رسول گرامی وقار ﷺ کی تشریف آوری کے بعد سلسلۂ نبوت و رسالت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ اور انھیں "خَاتَمُ النبیین" کہہ کر مخاطب کیا گیا۔ قرآن عظیم صبح قیام تک اپنی حقیقی اور اصلی شکل میں باقی رہنے والی کتاب ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ غیر متبدل ہے۔ اس دعوے کی تصدیق، خود اس کتاب کی شہادات اور تاریخ کے بیانات کرتے ہیں۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۔ (۳۲/۲۵)

ترجمہ: کفار اعتراض کرتے ہیں یہ قرآن اس رسول پر ایک بار کیوں نہ نازل ہو گیا۔

یہ معمول تھا کہ تدریجاً جس قدر وحی الٰہی نازل ہوتی، اسے نہایت ہی احتیاط اور ضبط کمال کے ساتھ تحریری عمل میں لایا جاتا۔ مقدس صحابۂ کرام اسے اپنے طور پر لکھا کرتے تھے، تاہم بارگاہ نبوی ﷺ سے بھی اس کا خصوصی اہتمام کیا جاتا۔ اور عظیم الشان ذمّہ داری کے لیے حد درجہ قابل اعتماد درس گاہ نبوی سے فیض یافتہ "کاتبین وحیِ الٰہی" کا انتخاب کیا جاتا تھا، جو نہ صرف فن کتابت ہی کے ماہر ہوں بلکہ سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی رفیع المنزلت ہوں۔

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۴ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝۱۶ ۔ (سورۂ عبس:۱۳،۱۶/۸۰)

ترجمہ: ان صحیفوں میں کہ عزّت والے ہیں، بلندی والے، پاکی

والے، ایسوں کے ہاتھ لکھے ہوئے جو کرم والے، نکوئی والے۔

(کنزالایمان)

قرآن عظیم کی آیات مقدسہ کو حفاظت کی غرض سے اسے عام پران اوراق پر لکھا جاتا تھا، جو اس زمانۂ قدیم کے رواج کے مطابق باریک کھال (رقّ) سے بنائے جاتے تھے۔ جو عہد جدید کے کاغذات کہیں زیادہ نفیس اور عمدہ ہوتے تھے۔ ہزار ہا برسوں کی قلمی مطبوعات آج دنیا بھر کے عجائب خانوں میں آج اسی طرح کے چربی کاغذات پر محفوظ ہیں۔

وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ (۵۲، ۲، ۳)

ترجمہ: پھیلے ہوئے رقّ پر لکھی ہوئی کتاب اسی طرح یہ وحیِ الٰہی کتابی شکل میں محفوظ ہوتی چلی جاتی تھی۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۙ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ﴿۷۸﴾.

بعض معترضین کا یہ کہنا کہ قرآن عظیم عہد رسالت کے بعد لکھا گیا یہ قطعی درست نہیں، بلکہ مکمل قرآن کی کتابت عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی، اور اسی کتابت کی بنیاد پر عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں قرآنی خدمت انجام دی گئی۔ بلاشبہ خلیفۂ اوّل سرکار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امّت مسلمہ پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے کلام الٰہی قرآن مجید کی تدوین ثانی فرمائی۔ تاہم کتب روایات ایسی بے شمار شہادات ملتی ہیں کہ آپ نے اسی نہج پر اس کام کی تکمیل فرمائی، جس ترتیب کے ساتھ عہد رسالت میں یہ قرآن عظیم مرتّب و مدوّن تھا۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں اس کی عام نشر و اشاعت ہوئی۔ فرق صرف یہ تھا عہد رسالت میں قرآن مختلف اوراق میں محفوظ تھا، عہد صدیقی میں صحائف کی شکل میں الگ الگ سورتیں لکھی گئیں، اور عہد عثمانی میں ایک مصحف کے اندر تمام آیات اور سورتوں کو یکجا مرتب کر لیا گیا۔ قرآن عظیم کی آیات اور سورتوں کے مابین جو ترتیب عہد صدیقی اور عہد عثمانی کے مصاحف میں باقی رکھی گئی تھی یہ دراصل وہی ترتیب تھی، جو عہد رسالت کے نامور حفّاظ کے امانت دار سینوں میں محفوظ تھی، اور جسے صحابۂ کرام نے معلّم کتاب و حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ فیض سے حاصل کیا تھا۔ قرآن عظیم کے جمع و ترتیب کے حوالے سے سرکار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تاریخ ساز اور رفیع المرتبت کارنامے کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

"یہی جمع قرآن در مصاحف جس پر اللہ کا ارشاد " وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ "منطبق ہوا ہے۔ اور جس کی بشارت " اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ "میں موجود ہے۔ جب تک دنیا میں قرآن اور ایک کلمہ گو بھی موجود ہے، حضرت سیّدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسان سے امت مسلمہ عہد برآ نہیں ہو سکتی۔

زانکہ کہ ملّت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ . (۲۹/۴۹)

ترجمہ: یہ واضح آیات ان لوگوں کے سینے میں محفوظ ہے جنھیں وحیِ الٰہی کا علم دیا گیا۔

البتہ ایک اہم ضرورت یہ تھی کہ امت کے مخصوص قبائل کے پاس قرآن عظیم کے اپنے اپنے نسخے موجود تھے۔ "مدینۃ الرسول" میں مستند صحیفہ (MASTERCOPY OF HOLY QURAN) موجود تھا اس لیے اہلِ مدینہ کو اس باب میں کوئی دقّت در پیش نہیں آتی تھی کہ وہ وہ اپنے اپنے نسخوں کو اس مستند صحیفے سے ملا کر اپنے نسخے کی صحت سے متعلق مطمئن اور متیقن ہو جائیں، تاہم وہ افراد جو حدود مدینہ سے باہر قیام پذیر تھے انھیں اس حوالے سے کسی دشواری کے امکان باقی تھا، اس مقصد کے لیے ضروری تھا قرآن عظیم کے مستند نسخے مختلف مراکز اسلامی میں موجود ہوں۔ یہ نسخے حکومت کی طرف سے معتمد کاتبین کے ذریعے مرتّب کر کے بھیجے جاتے تھے، اس میں یہ آسانی تھی کہ لوگ ان نسخوں سے ملا کر اپنے اپنے نسخوں کو ملا لیا کرتے تھے۔ "امام ابن حزم" نے یہ لکھا ہے کہ خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، مسلمانوں کے پاس اس کتاب عظیم کے لکھے ہوئے نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔" (کتاب المفصل، الملل والنحل) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جو سات (یا بعض روایات کے مطابق آٹھ) مستند اور مصدقہ نسخے مرتب کرائے تھے، اور ان میں سے ایک مدینہ طیّبہ میں رکھ کر باقی ممالک اسلامیہ کے مختلف شہروں میں بھیجے تھے۔ اس کی تفصیل کتب تاریخ میں ملتی ہے۔ انھوں نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ قرآن عظیم کا کوئی ایسا نسخہ نہ رہے جو ان مستند اور مصدقہ نسخوں کے مطابق نہ ہو۔ اور ایسا کرنا نہایت ہی ضروری تھا، اس لیے کہ لوگوں نے جو نسخے اپنے طور پر مرتب کیے تھے ان میں سہو اور خطاء کا امکان ہو سکتا تھا۔ عہد عثمانی میں باضابطہ طور پر تمام اسلامی مراکز کو جو اس دور کے لحاظ سے اہم تصور کیے جاتے تھے انھیں یہ مصدقہ نسخہ بھیجا گیا کہ وہاں کے مقامی افراد اسی کے مطابق اپنے نسخۂ قرآنی کو مرتب کر لیں۔ ------**(جاری)**

یاایھاالناس! اے لوگو!

مفتی محمد علی قاضی

قرآن کریم میں دوقسم کے خطاب ہیں۔ایک خطاب عام ہے جو سب انسانوں کے لیے ہے اور ایک خطاب خاص ہے جو صرف اہل ایمان کے لیے ہے۔خطاب عام میں جملہ طبقات انسانی شامل ہیں اور خطاب خاص میں صرف اہل ایمان کا ایک خاص طبقہ داخل ہے۔آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ خطاب عام سے امت دعوت مراد ہے یعنی قرآن کی دعوت سب کو دی جاتی ہے۔وہ خداپرست ہوں کہ بت پرست،اہل توحید ہوں کہ اہل تثلیث،اہل کفروشرک ہوں کہ اہل اقرار وایمان اور وجود الٰہ کہ قائل ہوں کہ اربابِ انکار وارتداد۔اور خطاب خاص سے امت اجابت مراد ہے یعنی صرف وہ خوش نصیب،فیروز بخت وبامراد افراد مراد ہیں جن کو دین حق کی دعوت ملی اورانہوں نے اُسے قبول کرلیا۔اٰمَنَّا وصَدَّقْنَا کہا اور سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے عملی پیکر ومظہر بن گئے اس طرح وہ اُس پاک زمرے میں داخل ہوگئے جن کو قرآن کریم یاایھاالذین اٰمنُوا اور قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤمِنُوْن کے مبارک لقب سے یادفرماتا ہے۔

ہم نے سردست یہاں پر قرآن پاک کی ایسی ۹ آیتوں کو جمع کیا ہے،جن میں یٰاَیُّھَاالنَّاسُ یعنی اے لوگو!سے خطاب کیا گیا ہے۔مذکورہ ذیل پہلی،دوسری،تیسری اور چوتھی آیات مقدسہ میں قرآن کا طرز خطاب دیکھیے کہ ان میں رب العالمین یعنی خالقِ حیات وکائنات کو پوجنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جس نے ہمیں،تمہیں،پچھلوں،اگلوں،عربوں،عجمیوں،گوروں،کالوں، طاقتوروں،کمزوروں اور حاکموں اور محکوموں سب کو پیدا کیا ہے۔اور پھر تخلیق انسانی کی دوعظیم جماعتوں یعنی مردوں کی جماعت اور عورتوں کی جماعت پیدا کرکے انہیں قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کیا کہ ایک دوسرے کی پہچان آسان ہو مگراس وارننگ کے ساتھ کہ خالقِ انسان کی بارگاہ میں پہچان تو اُسی کی زیادہ ہوگی جو زیادہ نیکوکار ہوگا۔اس کے بعد تیسری اور چوتھی آیت میں آخرت کا ڈر پیدا کیا جارہا ہے کہ تم دنیا میں جس کو چاہو پوجو مگر تمہیں تو ایک دن اپنے سچے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا جہاں تم سے تمہارے عقیدے اور عمل کا حساب لیاجائے گا،اگرتم دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ کر بے پرواہ ہوگئے ہوتو یہ تمہاری سب سے بڑی بھول ہوگی۔یادرکھو کہ قیامت کا زلزلہ انتہائی خوفناک وقیامت خیز ہوگا۔اس قدر خوفناک ہوگا کہ خوف سے سب کے ہوش اڑجائیں گے،عورتوں کے حمل گرجائیں گے،آسمان دھواں دھواں ہوجائے گا اور زمین پاش پاش ہوجائے گی۔اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ۔

متذکرہ ذیل پانچویں،چھٹی اور ساتویں آیات میں ہدایت دی جارہی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) تمھارے درمیان آچکے ہیں ان پر ایمان لے آؤ تمھارا دونوں جہاں میں بھلا ہوگا۔کفروشرک سے باز آجاؤ اور انکار وارتداد کی راہ چھوڑدو اور ضلالت وگمراہی کا راستہ ترک کردو۔دیکھو وہ تمھارے درمیان اللہ کی روشن دلیل ہیں اور وہ خود بھی تمہیں بتلارہے ہیں کہ میں اللہ کا سچا نبی اور اس کا آخری رسول ہوں لہٰذا مجھ پر ایمان لاکر اپنی دنیا وعقبیٰ بنالو ورنہ جہنم کے عذاب سے تمہیں کوئی نہ بچاپائے گا۔آٹھویں آیت میں لوگوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ ہاں ہمارے رسول تمھارے درمیان خالی ہاتھ نہیں آئے ہیں بلکہ ہماری کتاب کے ساتھ آئے ہیں جو کتاب تمھارے رب کی طرف سے کھلی نصیحت ہے، تمھارے امراض جسمانی وروحانی کے لیے صحت ہے اور ہاں ہدایت لینے والوں کے لیے خاص ہدایت ہے توایمان لانے والوں کے لیے رحمت ہی رحمت ہے۔اوراِس مضمون کی آخری آیت یعنی نویں آیت میں سب لوگوں سے کہاجارہا ہے کہ انسان ہو تو انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ حلال کھاؤ اور ہمیشہ پاک پاکیزہ کھاؤ۔حرام کھانا اور گندہ کھانا کسی بھی انسان کے لیے ناجائز ونامناسب ہے تو اُس کی صحت کے لیے مضرت رساں اور اُس کے جسم کے لیے ہلاکت خیز ہے۔

اب آئیے اِن آیات کو پڑھ لیں اور ان کا ترجمہ دیکھ لیں۔

(۱)- یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ (۲۱) (البقرہ۲آیت ۲۱)

ترجمہ!اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے (یاایھا الناس کا خطاب اکثر اہل مکہ کو اور یاایھاالذین امنوا کا اہل مدینہ کو ہوتا ہے مگر یہاں یہ خطاب مومن کافر سب کو عام ہے)۔

(۲)- یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ

شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳ (الحجرات ۴۹ آیت ۱۳)

ترجمہ! اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

(۳)- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ (فاطر ۳۵ آیت ۵)

ترجمہ! اے لوگو بے شک اللہ کا وعدہ سچ ہے تو ہر گز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی (دنیا کی لذتوں میں کھو کر آخرت کو نہ بھول جاؤ قیامت ضرور آنی ہے مرنے کے بعد اٹھنا ہے اعمال کا حساب دینا ہے)۔

(۴)- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱ (الحج ۲۲ آیت ۱)

ترجمہ! اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔

(۵)- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ (النساء ۴ آیت ۱۷۰)

ترجمہ: اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کو۔

(۶)- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝۱۷۴ (النساء ۴ آیت ۱۷۴)

ترجمہ! اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔

(۷)- قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

(اعراف ۷ آیت ۱۵۸)

ترجمہ! تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

(۸)- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ (یونس ۱۰ آیت ۵۷)

ترجمہ! اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے۔

(۹)- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ

(البقرہ ۲ آیت ۱۶۸)

ترجمہ! اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ۔ ☆☆☆

(ص:۱۹ کا بقیہ)-- حدیثِ پاک میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے، ارشادِ گرامی ہے:

"لیس منا من غشّ مسلمًا أو ضره أو ما كره."

خلاصہ یہ ہے کہ لاٹری کا کاروبار اور اس میں کسی قسم کی شرکت حرام ہے، کیوں کہ یہ قمار اور جوا ہے۔ العلم عند اللہ. (ایضًا، ص:۲۸)

انا عبدہ المذنب: غلام علی عزیزی القادری

خادم الحدیث والافتا، جامع اشرف، کچھوچھہ

دار الافتا الجامعۃ الاسلامیہ، رونا ہی، فیض آباد

الجواب: اللھم ھدایت الحق والصواب بعون الملک الوھاب. لاٹری کا جو عام رواج ہے اور جن اغراض و مقاصد کے تحت لاٹری کا ٹکٹ لوگ خریدتے ہیں، جوا و قمار بازی ہے جو ناجائز و حرام ہے اور اس کی حرمت و نجاست منصوص ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

" اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ "(المائدۃ:۹۰)

لہٰذا مسلمانوں پر اس سے اجتناب لازم و واجب ہے۔ ہاں البتہ فتح القدیر کے ایک جزئیہ کے پیشِ نظر ایک صورتِ جواز فقیر کے ذہن میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ اگر مقصد محض ٹکٹ کی خریداری ہو، ٹکٹ پر چھپے ہوئے انعام کا حاصل کرنا نہ ہو تو اس غرض و نیت سے نفس ٹکٹ کا خریدنا جائز ہے کہ ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں خریدنا و بیچنا جائز و درست ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

لو باع كاغذة بالفٍ يجوز ولا يكره."

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"إنما الأعمال بالنيات."

لیکن نہ تو ایسا ہوتا ہے اور نہ ایسا کرنے اور ہونے کی امید کہ سو فیصد انعام ہی حاصل کرنے کے لیے ٹکٹ لیتے ہیں اور نہ جانے کتنے افراد لاٹری کے پیچھے اپنے کو برباد کر لیتے ہیں اور نہ تو معمولی سے کاغذ کے ٹکڑے کا دو چند روپے میں بکنے کا رواج ہے، لہٰذا لاٹری کا حکم، حکمِ عدمِ جواز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم. (ایضًا، ص:۳۸)

الجواب صحیح: محمد نعمان قادری

کتبہ: فقیر شبیر حسن رضوی، رونا ہی

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

مبارک حسین مصباحی

دس محرم الحرام اسلامی تاریخ کا ایک مستقل اور انتہائی دردناک باب ہے، اس میں حق و باطل کی معرکہ آرائی، عدل و ظلم کی کشمکش اور صبر و ستم کی آمیزش کی خوں چکاں داستان رقم ہے۔ اس دل خراش حادثۂ فاجعہ میں حق و صداقت کی علم برداری کا سہرا نور دیدۂ رسول امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ [ولادت: ۳؍ شعبان ۴ھ/۸؍ جنوری ۶۲۶ء - شہادت: ۱۰؍ محرم الحرام ۶۱ھ/۱۰؍ اکتوبر ۶۸۰ء] کے سر سجتا ہے اور خون کے آنسو رُلا دینے والی ستم گری اور باطل پرستی کی مہم کا پیش رو یزید پلید ہے۔ یزید پلید جب اپنی تمام تر بداعمالیوں کے باوجود مطلق العنان ملوکیت کا مدعی بن کر اسلام اور مسلمانوں کی مقدس روایات پر شب خون مارنے کے لیے درپۂ آزار تھا، امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عین اسی وقت انتہائی بے سر و سامانی مگر دینی حمیت سے لیس ہو کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی کے لیے آگے آئے اور اپنے اہل و عیال اور جان و مال کی پوری کائنات راہِ خدا میں لٹا کر دینی تقدس کو پائمال ہونے سے بال بال بچا لیا۔ تاریخی نشیب و فراز پر نظر رکھنے والوں پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اسلام کا گرد آلود چہرا اپنے خون سے نہیں دھوتے تو اسلام کا مقدس چہرا اتنی سرخروئی کے ساتھ ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتا۔ بلا شبہہ یہ ایک ناقابلِ تردید سچائی ہے کہ خلفاے راشدین کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے سب سے بڑے محافظ و پاسبان ہیں، بلکہ صبحِ قیامت تک جب بھی کوئی یزیدی فتنہ ابھرے گا حسینی کردار حقانیت کا علامتی نشان بن کر امتِ مسلمہ کی رہ نمائی کرتا رہے گا۔ اسلامی مملکت کی شہنشاہی کا نااہل دعوے دار یزید ہمیشہ کے لیے فنا ہو گیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہنشاہِ کائنات بن کر آج بھی دلوں کی سر زمین پر حکومت کر رہے ہیں۔ سچ ہے —

ع —— شاہ است حسین، بادشاہ است حسین

زندہ قومیں ہمیشہ اپنے محسنوں کی یادیں مناتی ہیں اور جو قومیں اپنے محسنوں کے احسانات کو فراموش کر دیتی ہیں وہ لاشعوری طور پر زوال پزیر ہو جاتی ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے عظیم محسن و پیشوا اور دین و ملت کے محافظ و پاسبان ہیں۔ ہماری دینی و ملی ذمہ داری ہے کہ ہم ان کی دین پرور زندگی اور کردار و عمل کے تابندہ نقوش کو مشعلِ راہ بنائیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی سراپا دین اور حق و صداقت کی چلتی پھرتی تصویر تھی۔ آپ نور دیدۂ رسول، جگر گوشۂ بتول اور خم خانۂ مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چشم و چراغ تھے، آپ کے ایمان افروز فضائل و مناقب سے تاریخ و سیر کی کتابیں لبریز ہیں، بارگاہِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مقبولیت ایک بندۂ مومن کے اعزاز اور خوش بختی کی سب سے بڑی ضمانت ہوتی ہے اور یہی اس کی دینی سرفرازی کی معراج بھی ہے، اس حوالے سے جب ہم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات آفریں زندگی کی ورق گردانی کرتے ہیں تو دل و دماغ مسرت انگیز ورطۂ حیرت میں ڈوبتے چلے جاتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی، سرکار نے خود کان میں اذان دی، منہ میں لعابِ دہن ڈالا اور دعا کے لیے ہاتھوں کو اٹھا دیا، ساتویں دن سرکار کے رکھے ہوئے نامِ "حسین" پر عقیقہ ہوا۔ سرکارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبر و شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انھیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا" —

نجران کے عیسائیوں نے جب جزیہ دینے سے انکار کیا اور بحث و مباحثہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ (آلِ عمران: ۶۱)

ترجمہ: "پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمھارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمھاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمھاری

جائیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔"

جب رسول کریم ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ہم غور اور مشورہ کرلیں کل آپ کو جواب دیں گے۔ جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے پادری اور صاحب رائے شخص عاقب سے کہا کہ اے عبدالمسیح! آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: "اے جماعت نصاریٰ! تم پہچان چکے کہ محمد [ﷺ] نبی مرسل تو ضرور ہیں۔ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہوجاؤ گے، اب اگر نصرانیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑو اور گھر کو لوٹ چلو۔

یہ مشورہ ہونے کے بعد وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور کی گود میں تو امام حسین ہیں اور دست مبارک میں امام حسن کا ہاتھ ہے۔ حضرت فاطمہ اور حضرت علی حضور کے پیچھے ہیں (رضی اللہ عنہم) اور حضور ان سب سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔

نجران کے سب سے بڑے پادری عبدالمسیح نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا:

"اِنِّی لَاَرٰی وُجُوهاً لَوْسَأَلُوا اللہ أن یُزِیْلَ جَبَلاً مَنْ مَکَانِہٖ لَا زَالَہٗ فَلَا تَبتَہِلُوْا فَتَہْلِکُوْا وَلَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ نَصْرَانِیٌّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ."

(تفسیر کبیر، ج:۲، ص:۴۸۸، مدارك ج:۱، ص:۲۴۲)

اے جماعت نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ سے پہاڑ کو ہٹادینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹادے گا۔ ان سے مباہلہ نہ کرنا، ہلاک ہوجاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔"

یہ سن کر نصاریٰ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مباہلہ کی تو ہماری رائے نہیں ہے، آخر کار انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا مگر مباہلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے نجران والوں پر عذاب قریب آہی چکا تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوّروں کی صورت میں مسخ کردیے جاتے اور جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا اور نجران اور وہاں کے رہنے والے چرند و پرند تک نیست و نابود ہوجاتے اور ایک سال کے عرصہ میں دنیا کے تمام نصاریٰ ہلاک ہوجاتے۔ (خزائن العرفان)

ترمذی شریف کی حدیث ہے سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حسین منی و انا من الحسین "(کنزالعمال، ج:۲، ص:۲۲۳)

حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔

یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ سے اور حضور ﷺ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے انتہائی قرب ہے۔ ایک کا محب دوسرے کا محب ہے اور ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا: چھوٹا بچہ کہاں ہے؟ حضرت امام حسین دوڑتے ہوئے آئے اور حضور کی گود میں بیٹھ گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی شریف میں داخل کردیں، حضور نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا، پھر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَ اَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ.

اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

"جسے پسند ہو کہ جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے تو حسین ابنِ علی کو دیکھے۔" (مشکاۃ المصابیح، ص:۵۷۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سرور کونین ﷺ کے نور نظر اور محبوب جانشین تھے اور حضور کے جمال یکتائی کے بھی پرتو اور عکسِ جمیل تھے، بلکہ حسنینِ کریمین ہی مظہرِ جمالِ مصطفیٰ اور ہم شبیہِ شاہِ ثقلین تھے۔

جامع ترمذی میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"حسن سینہ سے سر تک اور حسین سینہ سے قدم تک رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہ ہیں۔"

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے اس کی بڑی دلکش تصویر کشی کی ہے۔

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اس نور کی جلوہ گہ بنی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اس کے دو حصے کیے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ صرف ظاہری حسن و جمال میں ہی اپنے نانا جان ﷺ کے مشابہ نہیں تھے، بلکہ سیرت و کردار اور

اخلاق و اطوار میں بھی ذاتِ رسول ﷺ کے آئینہ دار تھے۔ آپ قائم اللیل اور دائم الصوم تھے، فرض نمازوں کے علاوہ بکثرت نوافل پڑھتے تھے۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ:

"حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شب و روز میں ایک ہزار نوافل نمازیں پڑھتے تھے۔"

مستند روایات کے مطابق آپ نے پاپیادہ پچیس حج کیے اور فارغ البال ہوتے ہوئے بھی انتہائی سادہ غذا استعمال فرماتے تھے۔ جود و بخشش اور غربا پروری آپ کی فطرت تھی، آپ کی مجلسیں وقار و متانت کا مرقع اور خوفِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ سے لبریز رہتی تھیں۔ لوگ ان کی بارگاہ میں اتنے مؤدب اور سنجیدہ رہتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ علم و روحانیت کے بھی تاجدار تھے، اکابرِ مدینہ مشکل مسائل کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، ان کے تبحرِ علمی، حکمت و دانش اور فصاحت و بلاغت کا اندازہ ان کے خطبات سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان بے پناہ فضائل و کمالات کے باوجود غرور و تمکنت، خود پسندی اور ریاکاری سے حد درجہ اجتناب کرتے بلکہ حلم و بردباری اور منکسر مزاجی میں اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کو لے کر بارگاہِ رسول ﷺ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ کے دو نواسے ہیں، انھیں بھی کچھ عنایت فرمادیں تو ارشادِ رسول ہوا:

اما حسن فله هيبتي وسوددي و اما حسين فله جرأتي وجودي." (اشرف المؤبد، ص: ۷۲)

"حسن کو میں نے اپنی ہیبت اور سیادت عطا کی اور حسین کو اپنی شجاعت اور سخاوت۔"

جن شہزادوں کو حضور ﷺ اپنی تجلیاتِ سیرت سے خود سرفراز فرمادیں، ان کے فضل و کمال اور عظمت و بزرگی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پر جس رخ سے بھی نظر ڈالیے ذاتِ رسول ﷺ کی مظہر اور دینِ متین کا پیکر نظر آتی ہے۔

فرزندانِ رسالت مآب ﷺ کا توحید و رسالت پر ایمان لانے کے ساتھ احکامِ الٰہی اور فرامین رسول کا نفاذ بھی ان کی ایمانی ذمہ داری ہے۔ اور یہ ذمہ داری گھر کی چہار دیواری سے لے کر کوچہ و بازار تک، انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک اور مسجد کے منبر و محراب سے لے کر سیاست و حکومت کے ایوانوں تک ہے، اس نقطۂ نظر کے پیشِ نظر اگر کوئی ایسی نام نہاد اسلامی حکومت وجود میں آجائے جو دینی اصول اور شرعی روایات سے قطعاً منحرف ہو اور مسلمان اسے تسلیم کر لیں تو یہ یقیناً لا الہ الا اللہ کی حقیقی روح کو کچل دینے کے مترادف ہوگا اور قومِ مسلم خود اپنے دینی تشخص کے قتل کی مجرم ہوگی۔

یزید پلید کی حکومت بھی سر تا سر اسلامی تقاضوں کے منافی اور شرعی حدود شکنی کی انتہائی دلدوز مثال تھی وہ در اصل مکمل آمریت اور غیر شرعی شہنشاہیت کی داغ بیل تھی۔ اس عہد کے اکابرِ اسلام کا بیان ہے کہ یزید کے دورِ استبداد میں یہ خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ کہیں ہمیں آسمانی پتھروں سے سنگ سار نہ کردیا جائے۔ اہلِ حکومت اعلانیہ محرمات سے نکاح کرتے [یعنی وہ عورتیں شریعت نے جن سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے، انھیں اپنی زوجیت میں لاتے]، شراب پیتے اور نمازیں چھوڑتے تھے۔

اس پس منظر میں آپ خود اندازہ لگائیں کہ امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آغوش مصطفےٰ ﷺ کے پروردہ تھے وہ اسلام دشمن آمریت کی تائید کیسے کرسکتے تھے اور اگر خدانخواستہ آپ اس غیر شرعی حکومت کے قائد یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلیتے تو اسلام کا مستقبل ہمیشہ کے لیے تاریک ہوجاتا، بلکہ اسلام کی مجروح نعش اسی گھر میں دفن ہو جاتی جہاں سے وہ پروان چڑھا تھا۔

سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نازک موڑ پر پورے عزم کے ساتھ باطل کی سرکوبی کے لیے آگے آئے اور شجرِ اسلام کی آبیاری اور تر و تازگی کے لیے اپنی رگِ حیات کا آخری قطرہ تک نچوڑ دیا اور کربلا کے اس مسافر کو انتہائی صبر آزما اور مشکل ترین حالات کا سامنا کرنا پڑا مگر ایک لمحے کے لیے بھی دین و شریعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ وہ باطل کے مقابلے میں حقانیت کی ناقابلِ شکست چٹان بن گئے اور حق و باطل کے درمیان کبھی نہ ٹوٹنے والی فصیل قائم کردی۔ سچ ہے:

ع ——— دین است حسین دیں پناہ است حسین

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحفظِ اسلام کے لیے کربلا کے میدان میں جس جواں مردی، عزم و ہمت اور صبر و شکیب کا مظاہرہ کیا، انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں آپ پر پانی بند کیا گیا، نیزوں کی بارش ہوئی، برچھیوں کے بادل چھائے اور تلواروں کے طوفان اٹھے، مگر آپ کی ثبات قدمی میں ذرہ برابر لغزش نہیں آئی۔ فرزند ارجمند جواں علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نگاہوں کے سامنے قربان کیا گیا، ننھے علی اصغر کو اپنے بازوؤں میں دم توڑتے ہوئے دیکھا، ان

کے سامنے بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور آپ پر نثار ہونے والے دین کے سچے سپاہیوں کی لاشیں تھیں اور آخر میں اپنے بیمار بیٹے زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اپنی لاڈلی بیٹی سکینہ اور اپنی پیاری بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر خواتین اور بچوں کو بالکل بے سہارا چھوڑ کر اپنی جان بھی راہِ خدا میں قربان کر دی اور شہادت کے بلند مقام پر فائز ہو گئے۔

حسین ابنِ علی اور موت! ایسا ہو نہیں سکتا
شہیدِ ناز کو نیند آگئی آغوشِ خنجر میں

اور جب آپ کے سرِ مبارک کو ظالم یزیدیوں نے نیزے پر اٹھایا تو آپ قرآن عظیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یعنی جس عظیم شخصیت کے سر کو جھکانا چاہا وہ شہادت کے بعد بھی سب سے بلند تھا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

نیزے پہ بریدہ سر مصروفِ تلاوت ہے
اربابِ قلم لکھو، مردہ ہے کہ زندہ ہے

کربلا کے پورے منظر نامے پر ایک نگاہ ڈالیے، آپ کو سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے غریب الدیار کارواں کا ہر کردار و عمل دینِ حنیف کی ترجمانی کرتا ہوا نظر آئے گا سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ کلمات حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کانوں میں میدانِ کربلا میں بھی گونجتے رہے۔

"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"

پروردگار کی نافرمانی میں کسی انسان کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔

بلاشبہ الا اللہ کی بنیاد لا الٰہ پر قائم ہے، اسلام باطل کی نفی سے شروع ہوتا ہے اور حق کے اثبات پر مکمل ہوتا ہے، کربلا کے میدان میں بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اس کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے گرد دائر نظر آتی ہے، باطل کی نفی اور حق کا اثبات اس معرکۂ کربلا کا بنیادی عنصر تھا۔ اسی لیے خواجہ ہند الولی حضرت سید معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اس پورے تاریخی پس منظر پر نگاہ ڈالنے سے چند اہم نتیجے سامنے آتے ہیں اور ان کی روشنی میں ہمیں غور کرنا ہے کہ عہدِ حاضر میں سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہلِ بیت اطہار کی زندگی اور ایثار و قربانی کس طرح ہمارے لیے نمونۂ عمل ہے۔

دنیا کے ہر فرد کی نسل اولادِ نرینہ سے آگے بڑھتی ہے مگر یہ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسل آپ کی شہزادی سیدۃ النساء، خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آگے بڑھی، یعنی آپ کے دونوں باوقار شہزادوں کی نسل سے۔ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت میں کتنا گہرا شعر فرمایا ہے۔

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز

یعنی حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت یہ ہے کہ انھوں نے بحکمِ الٰہی بغیر شوہر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا۔ مگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تین نسبتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت پیاری لختِ جگر ہیں، امیر المومنین حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شریکِ حیات ہیں اور حضرت حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ ماجدہ ہیں۔

آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نہ صرف ایامِ شیر خوارگی میں آپ کی شہادت کی خبر دی تھی، بلکہ مقتلِ کربلا کی مٹی بھی حاضر کر دی تھی مگر قربان جائیے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کہ آپ نے ان کے لیے بے شمار دعائیں فرمائیں، مگر ایک بار بھی یہ دعا نہیں فرمائی کہ اے اللہ تعالیٰ میرے لختِ جگر حسین سے اس مشکل وقت کو ختم فرما دے۔ اس لیے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ اس وقت ان لوگوں کی سوچیں بدل چکی ہوں گی، اگر میرا حسین اس وقت اپنے خاندان اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ قربانی نہیں دے گا تو تاریخ کا رخ بدل جائے گا اور اسلام کی تاریخ پورے طور پر منور نہیں ہوگی۔

خیر اس وقت ہمیں کہنا تو بہت کچھ تھا، مگر اس وقت عالمی سطح پر مسلم ممالک کی جو فکری اور عملی صورت حال ہے اس نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا ہے، آج پھر ہر طرف کربلا کا منظر ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی جو صورتِ حال ہے اور ان پر جو مظالم ہو رہے ہیں انھوں نے مسلمانوں کی حالت کو عام طور پر بدتر کر کے رکھ دیا ہے۔ ان حالات میں ہم دنیا کے مسلم حکمرانوں علما اور قائدوں سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ حسینی کردار ادا کریں اور یزیدیت کے فتنوں کو ہمیشہ کے لیے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل عالمی مسلمانوں کے احوال پر رحم و کرم فرمائے۔ انھیں خود سنورنے اور دوسروں کے سنوارنے کی توفیق خیر سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

مولانا محمد علی جوہر رام پوری نے کیا خوب کہا ہے۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

☆☆☆☆

مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل

باہمی ربط و محبت کی چند مثالیں

مولانا غلام مصطفیٰ النعیمی

شہزادۂ اعلیٰ حضرت پیکر تقویٰ و طہارت حضرت علامہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں المعروف بہ حضور مفتی اعظم ہند کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں ہے۔ان کے بارے میں پاک و ہند کا ہر منصف مزاج شخص اچھی ہی رائے رکھتا ہے۔ جو اپنوں اور بے گانوں میں یکساں مقبول رہے۔ جن کی زندگی زہد و قناعت اور صبر و شکر کا عظیم نمونہ تھی۔ جو اپنی علمی ہیبت و شوکت اور وفورِ علمی کے باوجود ہمیشہ منکسر المزاج رہے۔ علما کی قدر دانی ان کے مزاج کا لازمہ تھی۔ خلوص و ایثار گویا ان کے وجود مسعود کا ایک حصہ تھا۔ ہم یہاں پر حضرت مفتی اعظم ہند کی زندگی کا ایک ایسا پہلو پیش کریں گے جو اس سے پہلے شاید ہی عوام و خواص کی نگاہوں سے گزرا ہو۔

یہ پہلو سرکار مفتی اعظم ہند کے امام الہند حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، آپ کے شہر مراد آباد اور آپ کے قائم کردہ ادارے جامعہ نعیمیہ سے والہانہ تعلق ہے۔ جو ہماری تاریخ کا ایک روشن و تابناک پہلو جس پر شاید اب تک نہیں لکھا گیا ہے۔ یہ ہمارے اکابر کی وسیع القلبی، کشادہ ظرفی، آپسی احترام واکرام اور ایثار و خلوص کی ایک ایسی داستان ہے جہاں قدم قدم پر بوئے وفا آتی ہے، الفت و محبت کے پیمانے چھلکتے دکھائی پڑتے ہیں، بلندی کردار کی نئی تاریخ رقم کی جاتی ہے، جن کا کردار و عمل آج بھی ہمارے لیے ایک روشن مینارہ ہے جس کی روشنی میں تقسیم در تقسیم کا شکار ہماری ملت کو سکون و چین مل سکتا ہے، علما و مشائخ کے درمیان خلیج کو پاٹا جا سکتا ہے اور ہم اپنے اختلافات کو باسانی دور کر سکتے ہیں۔

مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل سے قرابت:

جس وقت بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حضرت صدر الافاضل کی پہلی حاضری ہوئی اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی یہ وہ وقت ہے جب کہ حضرت مفتی اعظم ہند عمر کی محض گیارہ سال کی تھی۔ یعنی دونوں کی عمر میں قریب دس سال کا فرق تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند تو مادر زاد ولی تھے۔ وقت کے ایک عظیم بزرگ وشیخ نے ان کی ولایت کی پہلے ہی گواہی دے دی تھی۔ اسی وجہ سے مفتی اعظم دیگر بچوں سے کافی ممتاز تھے۔ جیسا کہ کہاوت ہے۔ ”ہونہار برواکے ہوتے چکنے چکنے پات۔“

اس وقت سے حضرت صدر الافاضل اور مفتی اعظم ہند کے مابین جو تعلق قائم ہوا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا، کیوں کہ اس تعلق میں عمر نہیں خیالات کی یکسانیت تھی، خدمت دین کے مساوی جذبات تھے، دونوں ہی ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے واقف و رازدار تھے۔ اور اس تعلق کی بنیاد خلوص ایثار اور والہانہ محبت پر مبنی تھی۔

جب جب اہل سنت کو مشکلات در پیش ہوئیں تو اس کے دفاع کے لیے ان دو بزرگوں کا آپسی تال میل دیکھنے والا ہوتا تھا۔ تاریخ کے سینے پر ایسے کتنے واقعات درج ہیں جو میرے اس دعوے کی تائید کریں گے۔

مفتی اعظم ہند کا حضرت صدر الافاضل سے لگاؤ:

جب ۱۹۲۳ء میں شدت پسند ہندوں کی تنظیم شدھی اور سنگٹھن نے مسلم راجپوتوں کے خلاف ارتداد کی مہم چلائی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنا ڈالا تب سرزمین بریلی سے اس فتنہ کے خلاف حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے آواز اٹھائی اور مراد آباد سے امام الہند حضرت صدر الافاضل کو یاد فرمایا۔ آپ حاضر ہوئے تو حجۃ الاسلام نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جن دو شخصیتوں کا انتخاب فرمایا وہ حضور مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل کی شخصیات تھیں۔ ان کی سرپرستی میں علما کا دس رکنی قافلہ روانہ ہوا۔

اس دس رکنی وفد نے راجپوتوں کو واپس اسلام میں لانے کے لیے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور محنتیں کیں۔ جب یہ وفد آگرہ پہنچا جہاں اس ارتدادی مہم نے کافی مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا تو وہاں کی جامع مسجد میں حضرت صدر الافاضل کا خطاب نایاب ہوا جس کی مکمل روداد تحریری روپ میں حضرت مفتی اعظم ہند نے اس طرح درج کی ہے:

”ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانا المحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان و شوکت اور موجودہ حالت زار پر دلگداز تقریر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے

مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے۔" (دبدبۂ سکندری، مجریہ ۱۹ر فروری ۱۹۲۳ء)

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ کس قدر اپنائیت اور محبت سے بھرا ہے اس پر مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں لیکن ہاں یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند اگر چاہتے تو خود بھی خطاب فرما سکتے تھے مگر آپ نے خود خطاب نہ فرما کر حضرت صدر الافاضل کو آگے بڑھایا اور ساتھ ہی ان کو وفد کا بہترین رکن بھی قرار دیا، حالانکہ اس وفد میں خود سرکار مفتی اعظم بھی شریک تھے مگر آپسی احترام کا یہ عالم کہ حضرت صدر الافاضل کو اپنے اوپر فوقیت دے رہے ہیں۔ یہ تواضع و خاکساری کی عمدہ مثال ہے اور حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے مَن تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفعہ اللہ۔ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا اللہ رب العزت اس کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔

صدر الافاضل کے تعلق سے مفتی اعظم ہند کا یہ طرز عمل یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ کس قدر وسیع القلب اور خوبیوں کا برملا اعتراف کرنے میں کس قدر فراخ دل تھے۔

یہ تعلقات ایک طرفہ نہیں تھے بلکہ باہمی جذبہ تھا جس کا اظہار وقتاً فوقتاً دونوں جانب سے ہوتا تھا۔ اب حضرت مفتی اعظم کے تعلق سے سرکار صدر الافاضل کا طرز عمل دیکھیں:

مفتی اعظم ہند سے ایک مرادآبادی کی ملاقات:

امروہہ جو پہلے ضلع مرادآباد ہی کا حصہ تھا یہاں ایک شخص ملّا توفیق نامی رہتا تھا۔ علمائے اہل سنت کے تعلق سے کہا کرتا تھا کہ سنی علما اپنے اکابر کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، حقیقت سے اس کا بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ ایک بار کسی کام کے سلسلے میں اس کا بریلی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا کام نپٹایا اور پھر سوچا کہ ابھی وقت کافی بچا ہے لاؤ مفتی اعظم ہند سے ہی ملاقات کر لیتا ہوں دیکھتا ہوں کہ سنی علما جس شخصیت کی بڑی تعریف کرتے ہیں وہ حقیقت ہے یا پھر محض مبالغہ آرائی ہے۔

یہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر حضرت مفتی اعظم ہند کے دولت کدے پر حاضر ہوا، نماز ظہر ہو چکی تھی اور اس شخص نے جا کر حضرت کے دروازے پر دستک دی۔ اس شخص کا کہنا ہے کہ جب میں نے کئی بار دستک دی تو ایک معمر شخص نے دراوازہ کھولا جن کے آنے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اندر سے بڑی جلدی آئے ہیں کیوں کہ سانس کی آمد و رفت معمول سے تھوڑا تیز تھی شاید وہ آرام کر رہے تھے اور دستک سن کر دوڑے چلے آئے تھے، مجھے تھوڑی شرمندگی بھی ہوئی کہ مجھے اس وقت جب کہ لوگ آرام کرتے ہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ خیر! میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دے کر مجھے محبت کے ساتھ بٹھایا پھر جلدی سے گھر میں داخل ہوئے اور واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں پانی کا برتن تھا۔ اس بار ان کے بدن پر کرتہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد وہ بزرگ پھر گھر میں گئے اور دسترخوان لا کر میرے سامنے لگا دیا، میں نے کہا کہ جناب میں کھانے سے فارغ ہو چکا ہوں مگر انہوں نے کہا نہیں آپ ہمارے گھر تشریف لائے اس لیے ہماری خوشی کی خاطر کچھ تو تناول فرما ہی لیں، ہمیں اچھا لگے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجھے کھانا کھلایا جب تک میں کھانے سے فارغ ہوا وہ اس وقت تک چائے بھی لا چکے تھے۔ چائے نوشی کے بعد انہوں نے سارا سامان گھر میں پہنچایا اور پھر مجھ سے کہا کہ اے عزیز مہمان آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ میں عرض کیا کہ میں امروہہ سے حاضر ہوا ہوں اور حضرت مفتی اعظم ہند سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات سن کر اس بزرگ نے جسے میں اب تک اس گھر کا کوئی خادم سمجھ رہا تھا بڑی انکساری سے کہا کہ کہیے اسی خادم کو مصطفیٰ رضا کہتے ہیں۔ ملّا توفیق صاحب کا بیان ہے کہ میرے اوپر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور میں شرم سے پانی پانی ہو گیا کہ اتنی عظیم شخصیت سے میں نے اتنے کام لیے میں نے بڑی لجاجت سے معافی طلب کی اس پر مفتی اعظم نے فرمایا کہ ارے اس میں معافی کی کیا بات ہے آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان کی خدمت کرنا تو ہمارے آقا حضور سید عالم ﷺ کی سنت ہے، ہمیں تو آپ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ آپ کی وجہ سے ہمیں سنت مصطفیٰ ﷺ پر عمل کا موقع فراہم ہوا۔ پھر مفتی اعظم نے ان کے اہل خانہ کی خیریت معلوم کی اور کاروبار وغیرہ کے بارے میں معلوم کیا اور کاروباری نقطہ نظر سے کچھ شرعی احکام بھی بتائے۔ اس کے بعد ملّا توفیق صاحب نے چلنے کی اجازت چاہی تو مفتی اعظم نے فرمایا ذرا ٹھہریں! پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو آپ کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی جس میں کچھ لڈو اور چائے کے ساتھ استعمال کیے جانے والے پاپے تھے۔ آپ نے وہ تھیلی مجھے عطا فرمائی اور کہا کہ اس وقت گھر میں کچھ اور موجود نہیں اس لیے اس چھوٹے سے تحفے کو قبول کر کے ہمیں سرخرو ہونے کا موقع دیں۔ یہ بات سن ملا توفیق بڑی شرمندگی سے بولے حضرت آپ یہ کہ مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔ تب مفتی اعظم نے فرمایا کہ مہمان کو وداع کرتے وقت تحفہ آقائے کریم علیہ السلام کی سنت ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ یہ سنت ہم سے چھوٹ جائے حالانکہ تحفہ بہت معمولی ہے مگر آپ قبول کر لیں گے تو سنت کی ادائگی کا ثواب مل جائے گا۔ ملا توفیق کا کہنا ہے کہ میں بڑی عقیدت کے ساتھ اس سارے سامان کو اپنے

گھر لایا اور آج مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے کوئی خزانہ مل گیا ہو، اتنی حفاظت سے تو میں اپنا روپیہ پیسا بھی کبھی نہیں لایا جتنی حفاظت کے ساتھ اس سامان کو گھر لایا۔ میرے دل میں ارمانوں کی امنگیں موجیں مار رہی تھیں اور میں اپنے نصیب پر فخر کر رہا تھا جو مجھے اتنی عظیم بارگاہ سے تحفہ ملا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے محلے میں لوگوں کو وہ تبرک تقسیم کیا اور لوگوں سے کہا: اے لوگو! یہ تبرک اس ذات کا ہے جو اس دور میں سنت نبوی کا چلتا پھرتا آئینہ ہے۔ ملّا توفیق صاحب کا کہنا ہے کہ ایک ایک لڈو میں نے کئی کئی لوگوں میں تقسیم کیا، اس کے بعد وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ بزرگوں کے بارے میں سنا تھا کہ وہ سنتوں کے عاشق ہوا کرتے تھے مگر کسی کو دیکھا نہیں تھا مگر جب مفتی اعظم کو دیکھا تو پتا لگا کہ عشق مصطفےٰ کیا ہوتا ہے۔

مفتی اعظم ہند کا شہر صدرالافاضل سے لگاؤ:

ہمارے ایک عزیز اور کرم فرما حضرت مولانا نعیم الدین رضوی علیگ جو ایک مشہور عالم اور خطیب ہیں موضع تمریا کلاں ضلع مرادآباد کے رہنے والے ہیں انہوں نے اپنے والد ماسٹر محمد اشفاق قریشی کے حوالے سے بتایا کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کے والد بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت مفتی اعظم ہند سے ملاقات کرنے کے بعد دل کا مدعا عرض کیا کہ حضرت غلام زادہ پیدا ہوا ہے، آپ اس کے بلندی نصیبہ کے لیے دعا فرمادیں اور اس کا نام بھی تجویز فرمادیں۔ یہ بات سن کر حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ ماسٹر صاحب آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں، انہوں نے عرض کی حضور میں مرادآباد سے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر مفتی اعظم مسکرائے اور کہا کہ شہر صدرالافاضل سے آئے ہو، انہوں نے عرض کی جی حضور! یہ سن کر مفتی اعظم نے بڑی معنیٰ خیزی کے ساتھ فرمایا کہ جب صدرالافاضل کے شہر سے آئے ہیں تو نام بھی ان کے نام پر ہی رکھیے جایئے آپ کے اس بیٹے کا نام حضرت صدرالافاضل کے نام پر "نعیم الدین" رکھا جاتا ہے۔

اس واقعے سے آپ اندازہ لگائیں کہ مفتی اعظم صدرلافاضل اور ان کے شہر سے کتنی محبت فرماتے تھے اور یہ سرکارِ مفتی اعظم کی کشادہ قلبی کا ایک روشن باب بھی ہے کہ اپنے مرید کے بیٹے کا نام خود پر یا اپنے شیخ پر نہ رکھ کر صدر الافاضل کے نام پر رکھا جو ان کی صدرالافاضل سے بے انتہا محبت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ سچ ہی کہا ہے کسی نے کہ جب کسی سے سچی محبت ہو جایے تو اس سے منسوب چیزیں بھی پیاری ہو جاتی ہیں۔ بقولے ہم کو عزیز ہے بس تیری نسبت کا خیال

صدرالافاضل کا مفتی اعظم ہند سے لگاؤ:

یہ محبت خلوص محض ایک طرفہ نہیں تھا بلکہ دونوں طرف الفت و وفا کی دلنواز خوشبو تھی۔حضرت صدرالافاضل نے مفتی اعظم ہند کو اپنے ادارے جامعہ نعیمیہ کا سرپرست اعلیٰ بنایا تھا اور مفتی اعظم ہند تا حین حیات اس منصب پر فائز رہے اور بحسن و خوبی اس کی ذمہ داریوں کو انجام دیا۔

جامعہ نعیمیہ کے بزرگ اساتذہ کرام حضرت مفتی محمد ایوب نعیمی، شیخ الحدیث جامعہ اور حضرت علامہ محمد ہاشم نعیمی دام ظلہما بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا معمول تھا کہ آپ جب بھی جامعہ میں تشریف لاتے تھے کبھی بھی جامعہ کا نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ جب زیادہ اصرار کیا جاتا تو فرماتے کہ حضرت صدرالافاضل نے مجھے اس ادارے کا ذمہ دار بنایا ہے اور ذمہ دار خود خرچ کرتا ہے اپنے اوپر خرچ نہیں کراتا۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس نذرانے میں ملا کر وہ سارے پیسے جامعہ کو واپس لوٹا دیتے۔

ایثار و خلوص کی ایسی روشن مثال کیا آسانی سے مل سکتی ہے۔ آج تو حالت یہ ہے کہ اگر ادارے کا سرپرست آرہا ہو تو اس کے استقبال کے لیے ادارے کو دل کھول کر پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے، اعلیٰ قسم کی گاڑی میں آمد و رفت کا انتظام کرانا پڑتا ہے، عمدہ اور پر تکلف دعوتیں اس پر مستزاد! تب کہیں جاکر سرپرست صاحب کو احساس ہوتا ہے کہ ہاں ہم اس ادارے کے سرپرست ہیں۔ مگر مفتی اعظم اس قسم کے تکلفات سے کوسوں نہیں ہزاروں لاکھوں میل دور تھے۔

فارغین جامعہ نعیمیہ کے لیے تحائف لانا:

سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ جب جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر مرادآباد تشریف لاتے تھے تو آپ کا معمول تھا کہ جتنے بھی فارغین طلبہ ہوتے تھے سب کے لیے آپ کچھ نہ کچھ تحائف ضرور لاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے سپاہی ہیں انہیں ملت کی حفاظت کرنا ہے جہاں بڑی مشکلات اٹھانا پڑیں گی اس لیے ان لوگوں کو تحائف دے کر ان کے دلوں کو شاد و خرم رکھو تاکہ یہ خوش دلی سے فروغ دین کا کام انجام دے سکیں۔

پورے سال جامعہ نعیمیہ کے طلبہ اتنی شدت سے کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے تھے جتنی شدت سے انہیں حضور مفتی اعظم سے ملنے والے تحفے کا انتظار رہتا تھا اور جو طالب علم بھی تحفہ حاصل کرتا تھا وہ پھولا نہیں سماتا تھا۔ آپ کی آمد پر پورا جامعہ گلزار ہو جاتا تھا ایسا لگتا تھا مانو ہزاروں گلاب مہک اٹھے ہوں۔ کیا علما کیا عوام کیا طلبہ سبھی مفتی اعظم سے نیاز مندی کو لے کر بڑے بے قرار رہتے تھے۔

جامعہ سے محبت کا ایک ناقابل فراموش واقعہ:

ہمارے اساتذہ کرام بیان فرماتے ہیں کہ جب سرکارِ مفتی اعظم ہند جامعہ نعیمیہ میں تشریف لاتے تو آپ جامعہ کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور یہ کہہ کر انکار کر دیا کرتے تھے کہ میرے کھانے سے بہتر ہے کہ وہ کھانا کسی طالب علم کو کھلا دیا جایے۔ میں یہاں کا خادم ہوں اگر نہیں کھاؤں گا تو حرج کی بات نہیں مگر یہ عزیز طلبہ جو اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر یہاں ہمارے مہمان بنے ہیں ان کا خیال رکھنا ہم پر لازم و ضروری ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر استاذ الاساتذہ فقیہ النفس حضرت مفتی حبیب اللہ النعیمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ) آپ کو اپنے گھر پر کھانے کی دعوت پیش کرتے جسے حضور مفتی اعظم ہند اس شرط پر قبول فرماتے کہ مفتی صاحب دعوت منظور مگر آپ کچھ تکلف نہیں فرمائیں گے جو کچھ گھر میں بنا ہو گا بس وہی پیش کریں گے۔ جب کھانے سے فارغ ہو کر چلتے تو مفتی صاحب کے بچوں کو عطیہ دیے وغیرکبھی واپس نہ ہوتے۔ ہمارے استاذ محترم فقیہ العصر حضرت مفتی محمد ایوب فرماتے ہیں کہ دستار بندی کے موقع پر کئی مرتبہ مفتی اعظم ہند نے میری دعوت قبول فرماکر اس فقیر پر بھی کرم فرمایا اور میرے گھر کو اپنے قدوم میمونت سے سرفراز فرمایا۔

دونوں بزرگوں کی خدمات کا اعتراف:

جماعت اہل سنت کے ارباب حل و عقد کی نگاہ میں ان دو عظیم شخصیتوں کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ جماعت رضائے مصطفی کے ارکان کی جانب سے لکھے گئے اس مکتوب سے لگائیں جو انہوں نے شدھی تحریک میں امام الہند صدرالافاضل اور حضرت مفتی اعظم ہند کی بے مثال کارگزاری و جانفشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت اور ہدیہ تشکر پیش کیا اخبار دبدبۂ سکندری میں ہے:

"تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیل اور مخلص کارکنوں کی شاقہ محنتوں کا مکمل تذکرہ دفتروں میں بھی نہیں آسکتا۔ صاحب زادہ عالیشان فاضل جلیل المکانۃ والمکان حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد مصطفی رضا خاں دامت برکاتہم صدر شعبہ تبلیغ واستاذ العلما مولانا مولوی حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین دامت برکاتہم کی جاں فشانیاں اور محنتیں اور ان حضرات کے فیوض و برکات اور سرگرم مساعی کا تذکرہ کے لیے جماعت کے پاس زبان نہیں ہے کہ ادا کر سکے انہیں کی ہمت وبرکت تھی کہ جماعت کو ہر معرکہ اور ہر موقع میں امید سے زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئیں ہم نہ ان کے اس احسان کو فراموش کرسکتے ہیں اور نہ ان کے شکریہ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو تکلیفیں انہوں نے اٹھائی ہیں اور جو محنتیں برداشت کی ہیں ان کے نقوش ہمارے سینوں سے کبھی محو نہیں ہوسکتے ہیں۔" (اخبار دبدبہ سکندری، مجریہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء)

مرادآباد میں مفتی اعظم کا بے مثال استقبال:

حضرت صدرالافاضل کی نگاہ میں مفتی اعظم ہند کی وقعت ورفعت کس قدر تھی یہ تو سرکار صدرالافاضل ہی جانیں مگر زمانے کی نگاہوں نے جو دیکھا تو یہی پایا کہ مفتی اعظم ہند آپ کے نزدیک انتہائی محترم ومکرم تھے جس ایک نظارہ اس وقت بھی ظاہر ہوا جب لاہور کے ایک مناظرہ سے لوٹتے ہوئے مفتی اعظم مرادآباد سے گزرے تو حضرت صدرالافاضل نے انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔ خیر مقدم کا انداز کیا تھا اس کے بارے میں السواد الاعظم کی یہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

سرکار مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہما الرحمہ پنجاب کے مناظرے سے واپس لوٹ رہے تھے۔ پنجاب سے آنے والی فیروزپور ایکس پریس گاڑی مرادآباد ہو کر بریلی جاتی ہے۔ اس لیے صدر الافاضل نے درخواست کی شہزادگان اعلیٰ حضرت مرادآباد میں ہو کر جائیں۔ صدرالافاضل کی یہ دعوت قبول کی گئی، اب آگے کا حال خود رپورٹ کنندہ کی زبانی سنیے۔

"۹، فروری کو شب کے دس بجے تار سے اطلاع دی گئی کہ حضرت ممدوح صبح سات بجے پنجاب میل سے رونق افروز ہوں گے۔ موسم سرما میں ۱۰، بجے شب لوگ سو جاتے ہیں کسی کو اطلاع دینے اور خبر کرنے کا موقع بھی نہ تھا لیکن باوجود اس کے صبح کو میل کے پہنچنے کے وقت مسلمانوں کی کثیر تعداد جس میں عمائد وعلما اور ہر طبقہ کے مسلمان تھے، اسٹیشن پر موجود تھی۔ والنٹیروں کی ایک جماعت جھنڈیاں لیے ہوئے منشی شوکت حسین کی سرکردگی میں صف بستہ تھی۔ مجمع دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑے اہتمام بلیغ سے حضرت کی تشریف آوری کا اعلان کیا گیا ہے۔ گاڑی آئی اور حضرت حجۃ الاسلام اور آپ کے برادر حقیقی مفتی ہند مولانا شاہ مصطفی رضا خاں دام مجدہ اور مولانا مولوی عبدالحق رئیس پیلی بھیت رونق افروز ہوئے۔ مرحبا کی صداؤں اور تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی، پھول نثار کیے گیے اور موٹروں میں آپ کا جلوس اسٹیشن سے روانہ ہو کر بازار شاہی مسجد اور منڈی چوک سے گزرتا ہوا مدرسہ عالیہ اہل سنت وجماعت مرادآباد (جامعہ نعیمیہ) میں پہنچا۔ موٹر آراستہ کیے گئے تھے راستے میں جابجا مدحیہ نظمیں خوش آوازی سے پڑھی جارہی تھیں، لوگ پھول برساتے تھے، عطر اور پان پیش کرتے تھے۔ ہجوم کثیر تھا بڑے شان وشکوہ کے ساتھ حضرت کی سواری مدرسے میں پہنچی تمام مجمع بیٹھ گیا۔ اور حضرت صدرالافاضل مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین نے............... (باقی ص:۳۶ پر)

اولاد کی تربیت واصلاح میں عورت کا کردار

محسن رضا ضیائی

اللّٰہ تعالیٰ نے اس روے بسیط پر ہر نسل و نوع کی مخلوق کو پیدا فرمایا، جس میں انسان کو سب میں معزز و مکرم بنا کر تمام مخلوقات عالم پر شرف و فضیلت بخشی۔ لیکن کرۂ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں میں ایک ایسی عظیم اور ممتاز ہستی کو بھی شرف ورود عطا کیا، جسے " عورت " کہا جاتا ہے۔ یوں تو اس کے از روے مقام مختلف نام ہیں ، اگر کسی کی زوجیت میں ہو تو بیوی ، بچے کو جنم دے تو ماں اور بہن، بیٹی اور بہوں اس طرح کے دیگر ناموں سے بھی جانی جاتی ہے ۔ عورت کا دنیا میں پہلا روپ ہی رحمت ہے جو بیٹی بن کر تمام خاندان والوں کے قلوب پر راج کرتی ہے تو وہی بہن بن کر بھائی کے رشتے کا حق نبھاتی ہے، اسی طرح بابل کے گھر سے رخصت ہو کر سسرال جا کر اپنے رفیق حیات کے ساتھ دائمی زندگی کا عہد پورا کرتی ہے، گویا وہ اپنے ہر کردار و ادا سے گوناگوں روپ دھارن کر لیتی ہے۔

عورت کا مقام ومرتبہ : یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ توالد و تناسل اور افزائش نسل کا لامتناہی سلسلے کا انحصار بھی عورت ہی پر مرکوز ہے۔ دنیا میں عورت ہی ایک ایسی ہستی ہے جس کے وجود سے قوم و نسل کا دوام و بقا ہے۔ عورت محض مردانہ جنسی اشتہا کی تسکین ہی نہیں بل کہ فروغ انسانیت کا عظیم سبب بھی ہے۔ اسی لیے ہر لحاظ سے عورت کا مقام و مرتبہ نہایت ہی بلند و بالا ہے ، جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید میں کئی ایک آیات ایسی ہیں جو عورت کے مقام و مرتبے کو ایک دلکش، دل نشیں اور عمدہ انداز میں پیش کرتی ہیں، جس سے اس کے بلند اخلاق و کردار، عظمت و تقدس اور نسوانی صفات و خصوصیات کا پورے طور پر پتہ چلتا ہے۔ عورتوں میں بھی کئی ایک درجات ہیں جس میں سب سے عظیم درجہ ماں کا ہے، جسے بے شمار مشکل گزار گھاٹیوں ، مرحلوں اور منزلوں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے، اسلام نے ان ہی تمام صعوبتوں ، مشکلوں اور تکلیفوں کو سامنے رکھتے ہوئے ماں کو سب سے زیادہ حسن سلوک، عزت واحترام اور قرابت داری کا مستحق و حقدار قرار دیا ہے جو اسلام کا عورت بالخصوص ماں پر ایک عظیم احسان ہے چناں چہ قرآن کریم میں وارد ہوا:

{وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً} [الأحقاف:۱۵]

ترجمہ: ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا، اس کے حمل اٹھانے کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے"۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی ماں کی عظمت و فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، چناں چہ مذکور ہے کہ:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ القَعْقَاعِ بْنِ شُبْرُمَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: «أُمُّكَ» قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «ثُمَّ أُمُّكَ» قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «ثُمَّ أُمُّكَ» قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَبُوكَ» [صحيح البخاري ۸/ ۲]

ایک شخص نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا! یا رسول اللہ ﷺ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے ؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون ؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون ؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر

کون؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تیرا باپ۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

عَنْ أَبِيهِ طَلْحَةَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ السَّلَمِيِّ، أَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِيرُكَ، فَقَالَ: «هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَالْزَمْهَا، فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا»

[سنن النسائی ۶/۱۱]

ترجمہ: "حضرت معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ ان کے والد جاہمہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے، آپ سے مشورہ طلب کرنے کے لیے حاضر آیا ہوں۔ ارشاد فرمایا، کیا تیری ماں ہے۔ انہوں نے عرض کیا: "ہاں" فرمایا: اس کی خدمت کو اپنے اوپر لازم کرلو کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہیں"۔

اسی طرح حجۃ الوداع کا وہ تاریخی خطبہ بھی عورتوں کے مراتب و مناصب کو کافی اجاگر کرتا ہے جس میں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! تم نے ان کو اللہ کے نام پر حاصل کیا ہے"۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دلائی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اولاد کے لیے ماں کی خدمت کا اجر حج و جہاد سے افضل ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ: «الْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ» [الكنى والأسماء للدولابي ۳/ ۱۰۹۱]

ترجمہ: ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ مذکورہ آیات و احادیث کی روشنی میں یہ معلوم ہوگیا کہ عورت کو کتنا عظیم مقام و مرتبہ تفویض کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ کس طرح الفت و محبت، اخلاص و مروت اور گھریلو اور معاشرتی طور پر پیش آنے کی کی تلقین و تاکید کی گئی ہے۔

عورت کا تعلیم یافتہ ہونا: "عورت" گھر، خاندان اور معاشرے کی ایک عظیم انقلاب آفریں مصلحہ و مربیہ بھی کہلاتی ہے، عورت اپنی آغوش میں پرورش پانے والی اولاد کی عہد طفولیت سے لے کر آغاز شباب تک تربیت و اصلاح کی خود ذمہ دار ہوتی ہے، یہ تمام ذمہ داریاں صنف نازک کے ناتواں کندھوں پر ہوتی ہیں، جو اسے بحسن و خوبی سرانجام دینا ہوتا ہے، جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ماں کا تعلیم یافتہ ہونا انتہائی ضروری ہے، کیوں کہ اولاد کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوا کرتی ہے، اس لیے کہ ماں کی تربیت کا اولاد پر گہرا اثر پڑتا ہے اگر گھر میں عورت تعلیم یافتہ ہو تو وہ گھر انسانیت کی یونیورسٹی ہوا کرتا ہے، لہذا دینی و عصری علوم سے وابستہ ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کو دینی و دنیوی ماحول میں بہتر طور پر پروان چڑھا سکے۔

عورت کی اولاد سے قرابت: یوں تو اولاد کو تربیت دینے میں مرد و زن دونوں کی یکساں ذمہ داری ہے، لیکن عورت کو خاص طور پر اس کی زمامِ قیادت سونپی گئی ہے۔ اس کی ایک وجہ عورت کی بچوں سے بے انتہا قربت بھی ہے، جس کی وجہ سے اس کے طرز گفتار، انداز فکر اور حرکات و سکنات بچوں کے نفسیات پر فوری طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح خوش اخلاقی، کم سخنی، زود فہمی، نظافت و پاکیزگی، متانت و سنجیدگی اور شکر وگزاری جیسے محاسن و اوصاف اگر عورت میں باہم جمع ہوں تو وہ تمام خوبیاں اولاد کی تربیت پر گہرے اثرات و نقوش چھوڑتی ہیں اور بچے کو ایک بہتر ماحول میں پروان چڑھانے میں کافی اہم رول ادا کرتی ہیں۔ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کی تربیت، نگہ داشت اور پرورش کرنے میں خواتین اسلام کے احوال و آثار کو اپنائے۔ ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرے، اپنے بچوں اور بچیوں کی زندگیوں کو بہتر بنانے میں مثالی رول ادا کرے۔ اولاد کی تربیت و نگہ داشت کے لیے فرامین خدا و ارشادات رسول ﷺ رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، جن پر عمل کرکے اولاد کو اسلامی اصول و قوانین، شرعی حدود و قیود اور اس کے قدیم و متوارث اقدار و روایات کے سانچے میں ڈھال کر انہیں اسلاف و اکابر کی راہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے، جو ان کی بہتر دینی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی میں ایک انقلاب و تبدیلی لانے کا سبب بن سکتا ہے۔

عورت کی ذمہ داریاں: عورت کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دنیاوی لہو و لعب، ناچ گانے، فضول لغویات، بری عادات اور منشیات جیسی دیگر برائیوں سے اجتناب کی ترغیب دلائے، انہیں بغیر تعلیم و تربیت کے "شتر بے مہار" کی طرح نہ چھوڑے جو گھر، خاندان اور سماج و معاشرے کے لیے فساد و بگاڑ کا سبب بنے، جیسا کہ آج کل یہ عام طور پر دیکھنے کو مل رہا ہے کہ بعض شریر اور غیر مہذب لوگ سرعام دین و شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنی خاندانی وجاہت و شرافت کو

نیلام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جن کی شرارت و بے ہودگی سے سارے علاقے کے لوگ تنگ آجاتے ہیں جو معمولات زندگی اور بہتر نظام معاشرت کو متاثر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں ۔ بعد ازاں یہ مجرمانہ کاموں کے عادی بن جاتے ہیں جس کا خمیازہ انہیں جیل کی سلاخوں کی پیچھے جاکر بھگتنا پڑتا ہے۔ اپنی زندگیاں تباہ و برباد کرکے بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اسی لیے عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرض کو کما حقہ ادا کرکے ان کی صحیح سمت رہنمائی کرے۔ فرمایا گیا ہے: عورت اگر اپنے اس حق کو ادا کرنے میں پہلوتہی سے کام لے گی تو وہ سخت گنہ گار ہوگی۔ لہذا عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے اوپر عائد تمام ذمہ داریوں کی انجام دہی میں کچھ بھی تکاسلی و تکاہلی سے کام نہ لے، جو بچوں اور بچیوں کی زندگیاں تباہ و برباد کردینے کا سبب بنے۔ اپنے بچوں اور بچیوں کے جذبات و احساسات کا خیال رکھے، بروقت ان کی نفسیاتی تربیت اور قدم قدم پر ان کی نگہ داشت و نگرانی کرتی رہے، تعلیم کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائے، ان کے ہر طرح کے افعال و اعمال، عادات و اطوار اور حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھے، صوم و صلاۃ، درود و فاتحہ اور تلاوت قرآن کا عادی بنائے، انہیں چلنے پھرنے، کھانے پینے اور بولنے چالنے کے آداب و اصول سکھائے، گاہے بگاہے عمدہ نصیحت و موعظت، بزرگوں کے اقوال و ارشادات اور سیرت نبوی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو بیان کرے، بڑوں کی تعظیم و تکریم، علما و ائمہ کرام کا ادب و احترام اور والدین کی خدمت و اطاعت کے جذبوں سے سرشار کرے، یہی وقت ہے کہ ان کے اندر ان تمام خوبیوں کو راسخ کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ بچپن کا سیکھایا ہوا بڑھاپے تک دل پر نقش رہتا ہے۔ جس کے بعد اولاد کی تربیت پر دینی، علمی اور اصلاحی اثرات مرتب ہوں گے جو آئندہ گھر، خاندان اور معاشرے کے لیے باعث فخریات ہوگی اور اسی طرح تعلیم و تربیت کا صالح بنیادوں پر ایک قصر عظیم تعمیر ہوگا۔

عورت یہ بات ذہن میں رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذمہ نسلوں کو سنوارنے اور ان کی تربیت و نگہ داشت کا کام سپرد کیا ہے جن پر قوموں کے مستقبل کا انحصار ہے، لہذا اس کو چاہیے کہ کسی بھی صورت میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو بل کہ اپنے رب ذوالجلال کا شکر و احسان بجالائے کہ اس نے عورت کو اس لائق سمجھا کہ اس کو اس امر عظیم کا مستحق قرار دیا جو اس کے لیے بہت بڑا اعزاز و انعام ہے۔ ☆☆☆☆☆

(ص: ۳۳ کا بقیہ)... مسلمانان مرادآباد کی جانب سے حضرت حجۃ الاسلام اور ان کے برادر حضرت مفتی ہند کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور آپ کی دینی خدمات اور حمایت ملت کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے طول حیات و کثرت فیوض و برکات کی دعا کی"۔

(ماہنامہ السواد الاعظم مرادآباد، مجریہ ربیع الاول و جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

استقبال کے جشن کو اپنی چشم تصور میں لائیں اور پھر سوچیں کہ دو طرفہ دیوانوں کی قطاریں، پھولوں کی بارش، مدحیہ نظمیں، استقبالی جھنڈے، نعروں کی گونج، نذریں پیش کرنا اور شہر کے سب سے اہم علاقوں میں اس جلوس کو نکالنے جیسا بڑا اہتمام ہر کس و ناکس کے لیے نہیں کیا جاتا یقینا حضرت مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام سے صدر الافاضل کو ایک خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا۔ اسی لیے آپ نے اس شان و شوکت کے ساتھ جلوس نکال کر اپنی بے پایاں محبتوں کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ یہاں حضرت صدر الافاضل کے عقیدت مندوں کی دانش مندی کا بھی پتا چلتا ہے کہ فروری کی سرد رات میں مفتی اعظم کی تشریف آوری کا پتا چلتا ہے اور صبح کو اسٹیشن پر کثیر مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ صدر الافاضل کو اعلان کا موقع نہیں ملا مگر! آپ کی بارگاہ کے حاضر باش یقینا آپ کے مزاج شناس تھے اس لیے انہیں اعلان کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی اور انہوں نے اپنے آقائے نعمت صدر الافاضل کے مزاج کو پہچان کر از خود ہی لوگوں کو اطلاع کردی اور نماز فجر پڑھتے ہی دیوانوں کا ہجوم مرادآباد کے اسٹیشن پر جمع ہوگیا۔ اور اہل مرادآباد کے اس مزاج کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علما و مشائخ کی بارگاہوں میں شروع ہی سے مؤدب، نذریں پیش کرنے اور محبت کرنے والے واقع ہوئے ہیں۔ اسٹیشن سے جامعہ نعیمیہ کا فاصلہ قریب دو کلومیٹر ہے، مگر یہ اہل مرادآباد کا مذہبی جوش ہی تھا کہ کڑاکے کی سردی میں اپنے معزز مہمانوں کو اہلاً و سہلاً مرحبا کی صداؤں میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ لاتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند اور امام الہند فخر الاماثل حضرت صدر الافاضل علیہما الرحمہ کی حیات مبارکہ کی یہ چند کڑیاں تھیں جو آپ کی نگاہوں سے گزریں جن پر محبت و خلوص اور ایثار و وفا کا رنگ حسین چڑھا ہے۔ وقت نے مہلت دی تو اس موضوع پر ان شاء اللہ مزید تاریخی شہادتیں پیش کروں گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اکابر کے ان معمولات کو دیکھ کر سبق حاصل کریں اور آپسی تعلقات کی نوعیت ایسے ہی رکھیں جیسے ہمارے بزرگوں کے مابین تھی۔ اگر ہم اس پر عمل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں تو یقین جانیں ایک شاندار مستقبل ہمارا منتظر ہے۔ ☆☆

فکر و نظر

واقعۂ کربلا اور اس کے دینی و عصری مطالبات

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں ۔ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں ۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔از: مبارک حسین مصباحی

اکتوبر ۲۰۱۸ء کا عنوان — اسلام میں ماہِ صفر کی حیثیت

نومبر ۲۰۱۸ء کا عنوان — عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس اور بعض غیر شرعی امور

عہدِ حاضر میں یزیدیت کی تباہی کے لیے حسینی کردار چاہیے

از: مولانا محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ دار العلوم غریب نواز، داہو گنج، کشی نگر یوپی

تاریخ کے اوراق میں جنگ وجدال ،کشت وخوں ریزی، ظلم وجفا اور گردشِ ایام کے بڑے بھیانک واقعات محفوظ ہیں۔لیکن یہ واقعات اور داستانیں اب قصۂ پارینہ بن چکی ہیں، ان کی اثر انگیزی دم توڑ چکی ہے، ان پر مرورِ ایام کی دبیز پرتیں جم گئی ہیں، نہ تو ان کے اندر لوگوں کے قلب وذہن کو جھنجھوڑنے کی قوت ہے اور نہ وہ لوگوں کے دلوں میں حرارت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ، اس کے برخلاف چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی کرب وبلا کی تاریخ کا ہر باب دجلہ وفرات کی گیسوؤں کی طرح تاب دار نظر آتا ہے، نہ تو اس کے رفتار میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے اور نہ ہی اس کی چمک دمک ماند پڑی ہے، بلکہ گزرتے وقت کے ساتھ سانحۂ کربلا لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرتا جا رہا ہے۔

واقعۂ کربلا کا تاریخِ عالم کا ایک منفرد سانحہ ہے، یہ تاریخ کا وہ عظیم باب ہے جس کی قدریں ہر عہد کے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ دکھائی دیتی ہیں۔یہ صبر و رضا، عزیمت و استقامت ، وفاداری و وفا شعاری، سرفروشی وجاں بازی ،حلم وبردباری،عدل و مساوات اور تحفظِ انسانیت کا ایک ایسا بے مثال واقعہ ہے ،جس نے انسانی تاریخ کو حیرت میں ڈال دیا،واقعۂ کربلا آج بھی متلاشیانِ حق اور سالکانِ راہِ خدا کی لیے ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

آج ہم جس عہد میں سانس لے رہے ہیں وہ انسان کی تہذیبی قدروں کے بحران کا عہد ہے۔جہاں انسانیت اپنی شناخت کھو چکی ہے،استعماریت اور سامراجیت اپنے سینے پر ظلم وبربریت اور سفاکیت کا تمغہ لگا کر دندناتی پھر رہی ہے۔لیکن ان کے خلاف کوئی آواز بلند کرنے والا نہیں ہے، اگر کوئی ان کے جارحانہ اقدام کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔ تو اُسے اس کے منطقی انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ آج یزیدیت نے اپنی نئی شکل وصورت اور نئے نام ونشان کے ساتھ دنیا پر دہشت گردی کی شکل میں حاوی ہوتی جا رہی ہے۔ساری دنیا حیران وپریشان ہے کہ اس دہشت گردی کو کیسے ختم کیا جائے۔ واقعۂ کربلا سے ہمیں اس حوالے سے بڑی واضح رہنمائی ملتی ہے ، امامِ عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف جو معرکہ آرائی فرمائی وہ ظلم وجبر کے خلاف ایک لازوال تحریک تھی، انسانیت کے لیے ایک عظیم جدوجہد تھی، دہشت گردی کے خلاف جہاد تھا، یزید پلید نظامِ مصطفیٰ کو پامال کرنے کے ساتھ اسلامی خزانے کو شباب و کباب اور عیش وعشرت کے لیے استعمال کر رہا تھا، کرپشن اور بدعنوانی اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی، عزت وعصمت تار تار کی جا رہی تھی، جس چمن کو آقائے کائنات ﷺ، خلفاے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے خونِ جگر سے سینچ کر سرسبز وشاداب کیا تھا اسے یزید ویران کرنے پر آمادہ

تھا،ایسے حالات میں حضرت امامِ عالی مقام نے ملتِ اسلامیہ کی حفاظت، نظامِ مصطفیٰ کے استحکام، بدعنوانی کے خاتمہ گلشن اسلام کی آبیاری اورامارت کے نشہ میں چور ان دہشت گردوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے علمِ جہاد بلند کیا، حضرت امامِ عالی مقام نے مخالف طاقتوں کی پروا کیے بغیر قدم بڑھایا، ظلم وجبر کے خلاف جہاد فرماتے ہوئے مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ آپ کی شہادتِ عظمیٰ نے پوری دنیائے انسانیت کوظلم وجبر، کرپشن وبدعنوانی کے خلاف آواز بلند کرنے کا حوصلہ عطا کیا اور ملتِ اسلامیہ کی بقا کے لیے اپنی جاں جان آفریں کے حوالے کرنے کا لازوال درس دیا، یہ حسینی پیغام مسلمانانِ عالم کے لیے رہتی دنیا تک مشعل راہ ہے۔

واقعۂ کربلا کے دامن میں امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرنے والوں اور ان کی عقیدت کا دم بھرنے والوں کے لیے بے شمار دینی ومذہبی پیغامات پوشیدہ ہیں، واقعۂ کربلا کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو بہت ساری پوشیدہ حقیقتیں واشگاف ہوتی ہیں، ذرا تاریخ کے اوراق پلٹیے اور کربلا کی اس شام کو یاد کیجیے جس کی صبح قیامت صغریٰ قائم ہونے والی ہے، حق وباطل کے درمیاں فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے، ایک طرف خانوادۂ نبوت کے شہزادے اور شہزادیاں ہیں، غریب الوطنی کا عالم ہے اور جاں نثاروں کا مختصر قافلہ ہے۔ دوسری طرف ہزاروں کی تعداد میں یزیدی لشکر ہے، یزیدی خیمے میں جنگ کی تیاریاں جاری ہیں، تیر وتفنگ جمع کیے جارہے، تلواریں تیز کی جارہی ہیں، بھالے اور برچھیوں کو تیار کیا جارہا ہے، دوسری طرف حسینی خیمہ ہے، خیمۂ حسینی میں مصلے بچھائے جارہے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت کی جارہی ہے، سجدہ نیاز لٹائے جارہے ہیں، صبر وشکیب کی تلقین کی جارہی ہے، جنگ کی ہاہاکار کے عالم اور تلواروں کے سایے میں امام عالی مقام کا یہ کردار ہمیں پیغام دیتا ہے کہ جتنی مصیبتیں آجائیں، جتنی آزمائشیں آجائیں، حالات جس قدر مخالف ہوجائیں، توکل اللہ تعالیٰ پر رکھنا چاہیے، اسی کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے، اسی کا ذکر کرنا چاہیے اور اس کی یاد سے کبھی بھی غافل نہیں ہونا چاہیے، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طرز عمل ہنگامی حالات میں پوری دنیا کے امت مسلمہ کے لیے ایک اہم پیغام ہے کہ مشکل کے وقت اپنے اختیارات اللہ جل شانہ کے سپرد کردو، اللہ تمھاری فریادرسی کرے گا۔ امام عالی مقام کے اس پیغام کو عملی جامہ پہنا لیا جائے تو ہماری بہت ساری اضطرابی کیفیتیں کو بخود دور ہوجائیں گی۔

شب عاشورہ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جاں نثاروں کو جمع کرکے فرمایا:

" مجھے یقین ہوگیا ہے کہ کل یہ دشمن مجھ سے ضرور لڑیں گے، تم کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں، جس کا جس طرف جی چاہے چلا جائے، میرا کوئی حق اس پر نہیں ہے،...... اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی طرف متفرق اور منتشر ہوکر چلے جاؤ، شاید اللہ تعالیٰ تم کو اس تکلیف سے بچالے ،کیوں کہ شامی میرے خون کے پیاسے ہیں، اگر مجھے پالیں گے تو دوسرے کو تلاش نہ کریں گے۔[تاریخ ابن خلدون مترجم، جلد سوم، ص: ۳۹۹، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، ایم، اے، جناح روڈ، کراچی، پاکستان]

آپ کے اس خطاب کے بعد آپ کے جاں نثاروں نے یک زبان ہوکر کہا: واللہ ہم ایسا نہ کریں گے، آپ کو تنہا چھوڑ کر نہ جائیں گے، بلکہ ہم خود کو، اپنے مال کو، اپنے گھر والوں کو آپ پر فدا کردیں گے، ایک جاں نثار نے کہا: اللہ کی قسم اگر میرے پاس کوئی اسلحہ نہ ہوتو ان کو میں آپ کی حمایت میں پتھروں سے مارتا، یہاں تک کہ میں خود کو آپ پر فدا کردیتا۔[مصدر سابق]

واقعۂ کربلا کا یہ باب بھی ہمیں کئی جہتوں سے پیغام دیتا ہے اور آج کے حالات میں ہمیں ہدایت کی روشنی عطا کرتا ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم معمولی دنیاوی مفاد کی خاطر دین کا بڑا سے بڑا نقصان برداشت کرلیتے ہیں، ذاتی مفادات پر دینی مفادات کو قربان کرنے میں ذرا بھی دریغ محسوس نہیں کرتے، چند سکوں کے عوض دین فروشی کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، دنیاوی مفادات کے حصول کے لیے حق وباطل کے درمیان فرق ختم کیا جارہا ہے ،ایسے میں کربلا کے ان وفاشعاروں کا یہ طرز عمل ہمیں جھنجھوڑتا ہے اور شہیدانِ کربلا خوں ہمیں پکار پکار کر کہتا ہے کہ دین کی سربلندی اور اسلامی نظام کی حفاظت کے لیے جان ومال کی قربانی پیش کرنا حسینی کردار ہے اور دنیاوی عیش وآرام کے لیے راہِ حق سے منحرف ہوجانا یزیدی شیوہ۔

امامِ عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا کی سرزمین پر صبر وشکیب کی جو داستان رقم کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یکے بعد دیگرے تمام جاں نثاروں کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے بعد خود میدانِ کارزار میں اترے اور مکمل دادِ شجاعت دینے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا، مصائب وآلام کی ان گھڑیوں میں بھی آپ نے صبرو استقامت کا دامن نہیں چھوڑا، اور ایک لمحے کے لیے بھی یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوئے، ظالموں کے ظلم کی انتہا ہوتی تو آپ آسمان کی طرف سر اٹھا کر اللہ کی بارگاہ میں اس ظلم وسرکشی کی شکایت کرتے اور صبرواستقلال کا دامن تھامے رہتے۔

مشکل حالات میں صبر وضبط، تحمل وبرداشت اور اپنے معبود حقیقی سے ایسا پختہ تعلق رہتی دنیا تک تمام مصیبت زدوں اور حالات کے ستائے

انسانوں کے لیے درسِ عمل ہے معبودِ حقیقی کی بارگاہ سے لو لگانے والے کبھی بھی مایوس نہیں ہوتے اور نہ ہی انھیں حالات کی ناسازگاری کا شکوہ ہوتا ہے، وہ ہردم، ہر آن، ہر لحظہ اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے آپ کو حاضر پاتے ہیں اور اسی کی نصرت پر یقینِ کامل رکھتے ہیں، مصائب وآلام کو اپنے رب کی طرف سے آزمائش سمجھ کر خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لیتے ہیں۔

واقعۂ کربلا سے جہاں ہمیں صبر وشکیب، ایثار وقربانی، خلوص ووفا، سر فروشی وجاں بازی کا درس ملتا ہے وہیں، مشکل سے مشکل حالات میں بھی احکامِ شریعت پر عمل اور شریعت مصطفیٰ کی پاس داری کا بھی سبق ملتا ہے، اہل بیت اطہار کی خواتین نے چمنستانِ فاطمہ کی ننھی کلیوں کے مرجھائے ہوئے چہرے دیکھے، ننھے شہزادوں کا آہ وفغاں دیکھا، جگر گوشوں کی پیاس کی شدت دیکھی، روتے بلکتے شہزادوں کی ناقابل برداشت حالت دیکھی، خاک وخون میں تڑپتی لاشیں دیکھیں، مصائب وآلام کے وہ نظارے دیکھے جس کی تاب ہر آنکھ نہیں رکھتی، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اہل بیت کی ان شہزادیوں نے شریعت کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا، ان قیامت خیز حالات میں بھی انھوں نے آج کی عورتوں کی طرح سینہ کوبی اور ماتم نہیں کیا، کربلا سے دمشق تک کا سفر کس قدر روح فرسا تھا، اور کتنے نازک مراحل سے ان شہزادیوں کو گزرنا پڑا، لیکن انھوں نے اپنے سارے غموں کو بھلا کر شریعت مطہرہ کی پاس داری کو سب پر مقدم رکھا۔

اہل بیتِ اطہار کی ان مقدس شہزادیوں کا یہ طرز عمل آج بھی اسلامی معاشرے کی ان خواتین کے لیے درس عبرت ہے جو کھلے بندوں شریعت کی دھجیاں اڑاتی ہیں، بازاروں اور شاہراہوں پر کھلے عام گھومتی ہیں، غیر محرم مردوں کے ساتھ اختلاط میں انھیں کوئی تکلف نہیں ہوتا، خاص طور سے محرم الحرام کے مہینے میں امام عالی مقام کی محبت وعقیدت کا دم بھرتے ہوئے سج سنور کر ٹولیوں میں دندناتی پھرتی ہیں اور میلوں کی زینت بڑھاتی ہیں، جلوس اور تعزیہ کی زیارت کے نام پر خواتینِ اسلام جن خرافات کا مرتکب ہوتی ہیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسی اسلامی خواتین کو اہل بیت اطہار کی ان شہزادیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غریب الوطنی کی اور بے سرو سامانی کے عالم میں شہید کیا گیا، یزیدی فوج نے اسے اپنی کامیابی سمجھ کر فتح کا جشن بھی منایا، لیکن دنیا نے دیکھا، یزید اور یزیدی فوج ہمیشہ کے لیے نیست ونابود ہو گئی، جب کہ شہادت حسین نے، امام حسین اور حسینی تحریک کو ابدی حیات عطا کر دیا، امام عالی مقام ہر مسلمان کے دل میں زندہ ہیں، ان کی قربانی کی یادوں سے گلستانِ اسلام مشک بار ہے، آج ہر محفل ان کے ذکر جمیل سے معمور ہے، جب کہ یزید پلید پر ہر جانب سے لعنتیں برستی ہیں۔

یہ کربلا کا آفاقی پیغام ہے کہ جو اللہ اور اس کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرے گا انہیں اللہ تعالیٰ حیاتِ جاودانی عطا کرے گا، آج بھی جور وجفا اور ظلم وستم کا بازار گرم کر کے اگر امت مسلمہ کا عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، اسلامی شریعت پر چہار جانب سے حملے ہو رہے ہیں، نظامِ مصطفیٰ کو پامال کرنے کی ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں، ان حالات میں کربلا کی تحریک ہمیں روشنی عطا کرتی ہے، جرأت وہمت عطا کرتی ہے، ہمیں ناساز گار حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے حسینی کردار کو اپنا کر انھیں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے، یہی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے اور اسی میں ہماری سرخروئی ہے۔ ☆☆☆

سانحۂ کربلا کا نفسیاتی آہنگ

از: مولانا توفیق احسن برکاتی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، taufiqahsan92@gmail.com

شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال نے لکھا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر اپنی معنوی وسعت اور تاریخی صداقت کے لحاظ سے کائنات کے اندر گزری ہوئی اب تک کی تمام صدیوں پر محیط ہے اور آنے والے ادوار میں بھی حق و باطل کے درمیان مقابلہ آرائی دنیا کا مقدر ہوگی۔ حق کی آواز کو دبانے کے لیے باطل اپنی تمام تر توانائی خرچ کرے گا اور چراغ مصطفوی کو گل کرنے اور اس کی روشنی کی گھیرابندی کے لیے شرارِ بولہبی اپنا آخری حربہ تک استعمال کرتا دکھائی دے گا۔ لیکن انسانی تاریخ پڑھنے والے ہر ذی ہوش قاری کی نظروں میں حق وباطل کی کشمکش، محاذ آرائی اور حق کی جیت اور باطل کی شکست کے ہزاروں واقعات گھومتے نظر آئیں گے۔

چوں کہ حق وصداقت اللہ عزوجل کی امانت ہوا کرتی ہے، اس کے اندر خالقِ کائنات کا جلال وجمال پوشیدہ ہوتا ہے، رب العلمین کی سچی

معرفت کے گنج گراں مایہ چھپے ہوتے ہیں، اس لیے اس میں خرد برد کی گنجائش نہیں ہوتی اگر اس میں کسی طرح کا منفی امکان تلاش کرلیا جائے تو خدا کی معرفت دھندلی ہوجائے گی اور انسانیت کا سب سے قیمتی خزانہ اس سے چھن جائے گا، اس لیے اللہ رب العزت کی جانب سے غیبی طور پر اس عظیم سرمایے کو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے، حق کو باطل کی آزمائش سے بچانے کے لیے خدائی انتظام کیا جاتا ہے، پریشانیاں آتی ہیں اور اس کو امتحان وابتلا کے پریشان کن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن وہ ہر طوفان کا مقابلہ کرتا ہوا ہر انقلاب کا رخ موڑتا ہے، حق کو بچاتا ہوا منزل مقصود پر گامزن ہوتا ہے بالآخر حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل خائب وخاسر ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بے شمار انبیاے کرام ومرسلین عظام کے احوال جو قرآن وحدیث کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں وہ ہماری پیش کردہ باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ دور نہ جاکر خاتم النبین سید المرسلین حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں ہونے والی حق وباطل کی معرکہ آرائیوں کا سنجیدہ ذہن لے کر مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حق کو مٹانے کے لیے باطل پرستوں نے وہ کون سا حربہ تھا جو اپنایا نہ ہو، وہ کون سی جدوجہد تھی جو نہ کی ہو اور وہ کون سا طریقہ تھا جو استعمال نہ کیا ہو مگر ہوا کیا؟ ان کی یہ ساری کوششیں فقط تدبیریں تھیں اور اسلام کے فروغ واشاعت کی تقدیر کام کررہی تھی۔ تقدیر اس مستحکم چٹان کا نام ہے جہاں تدبیریں ٹکرا کر پاش پاش ہوجاتی ہیں، تقدیر اللہ کی مرضی اور مشیت ہوا کرتی ہے۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چالیس سال تک اپنی ذات، اخلاق، کردار، تعلقات، سماجی روابط، معاشرتی زندگی کے کامیاب لمحات کا عربوں کو قائل کیا تھا۔ ہر کوئی مانتا تھا محمد بن عبداللہ سچ ہی بولتے ہیں، بہت بڑے امین ہیں، اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں لیکن ان تمام حقائق کے باوجود جب انھوں نے کائنات کی سب سے بڑی صداقت اور حق کی عظیم آواز کا نعرہ بلند کیا تو چند کو چھوڑ کر پورا عرب ان کا مخالف بن گیا۔ اب اس حق کو دبانے کا جتن ہونے لگا، ذہنی وجسمانی، خاندانی وسماجی لحاظ سے بھی انہیں پریشان کیا جانے لگا، سوشل بائیکاٹ کا اعلان ہوا، قتل کا منصوبہ تیار ہوا، وطن عزیز چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ان سب کے باوجود مخالفینِ اسلام نے چین کی سانس نہ لی بلکہ ہجرت کے بعد نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنگ بدر، جنگ حنین، تبوک وغیرہ بے شمار جنگیں مسلط کی گئیں اور ان غزوات میں دشمن اپنی پوری طاقت، کثرتِ افراد اور سامانِ حرب وضرب کی فراوانی کے ساتھ آکر پسپا ہوا، اسے ہزیمت اٹھانی پڑی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گنے چنے جاں نثاروں کے ساتھ سامان جنگ اور اسباب خورد ونوش کی قلت کے باوجود ہر محاذ پر انھیں شکست دیتے رہے اور نفسیاتی طور پر انھیں سوچنے پر مجبور کیا کہ اگر حق تمھارے ساتھ ہوتا تو جیت تمھاری ہوتی، حتیٰ کہ حدیبیہ کے مقام پر اس دوراندیش نبی نے کفار مکہ سے انتہائی کڑی شرائط پر سن ۶ ہجری میں صلح فرمائی اور دس سال تک جنگ بندی کا اعلان ہوا۔ قرآن عظیم نے صلح حدیبیہ کو سورۂ فتح کی آیت نمبر ۱ تا ۶ کے اندر فتح مبین قرار دیا، بالآخر یہی صلح فتحِ مکہ کی نوید ثابت ہوئی اور پورا مکہ اسلام اور مسلمانوں کے زیرنگیں آگیا۔

اس قدر طویل تمہید کا حاصل یہی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں زندگی کے تمام گوشوں میں اپنا اسوہ چھوڑا ہے، حالت جنگ وامن کے اندر بھی نبی کا طرز عمل جداگانہ ہے، اور ہر اعتبار سے دانائی، دوربینی، عاقبت اندیشی اور حکمت وموعظت پر مبنی ہے۔ یہی تو دعوت وارشاد اور دارین کی سعادت افروزی کی کلید ہے جس نے نفسیاتی لحاظ سے اللہ عزوجل پر اعتماد مستحکم کیا، انصاف کو غلبہ ملا، دینی دعوت لوگوں کی سمجھ میں آنے لگی کہ خدائی طاقت پاس ہوتے ہوئے، کامل اختیار رکھتے ہوئے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی بھی مقام پر کتنی ہی خطرناک حالت میں دشمنوں کی ہلاکت کی دعا نہ کی بلکہ ہدایت کرتے رہے اور جنگ سے بچتے رہے لیکن جہاں ان پر جنگ لادی گئی تو دفاع میں اپنے صحابہ کے ساتھ ان کے خلاف محاذ بھی قائم کیا اور فتح سے ہم کنار بھی ہوئے۔ اسلام کی فلسفۂ جہاد بھی یہی ہے۔ اس لیے میدان کربلا اور اس کے اندر پیش آنے والا تاریخی معرکہ اور امام عالی مقام نواسۂ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تمام ترجہادی سرگرمیاں اسی اسوۂ رسول کی روشنی میں انجام پارہی تھیں اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجا طور پر نبی کے اس دعوتی منہاج پر چل رہے تھے جو حالت جنگ وامن کے اندر نبی نے پیش فرمایا تھا۔

جنگ کربلا بھی امام حسین اور ان کے ساتھیوں اور اہل خانہ پر مسلط کی گئی تھی ورنہ انھوں نے تو صرف دیارِ رسول سے اپنے سفر کی شروعات کی تھی، مکہ آئے تھے، وہاں سے کوفہ والوں کے بے حد اصرار پر کوفہ کا سفر کیا تھا۔ وہ جہاں تھے انتہائی پرامن تھے، سیادت ونجابت کی دولت ان کے پاس تھی، زہد واتقا کا سرمایہ ان کے ساتھ تھا ہر طرح کی محبتیں، الفتیں، عقیدتیں ان پر نچھاور تھیں، ہر خوشی ان کے قدموں میں موجود تھی لیکن کوفہ والوں نے التجا کی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے نانہجار بیٹے یزید نے زبردستی ہم سے بیعت لینی شروع

کردی، چند سرکردہ لالچی اس کے ساتھ ہیں، وہ فاسق وفاجر ہے، کسی بھی اعتبار سے بیعت کا اہل نہیں اس لیے ہم آپ کے دست مبارک پر بیعت کرلیں گے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی فراست ایمانی نے فیصلہ سنایا کہ کچھ بھی ہوجائے، میں ان کے پاس جاؤں گا، ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن مجھے اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا پڑے اور امام نے وہی کیا جو حیات نبوی کے اندر اسوۂ رسول کی شکل میں صبح وشام دیکھا تھا۔ آقا رضی اللہ عنہ کے اسلوب دعوت کا جو نقشہ ان کے ذہن وفکر میں منقش تھا، سانحہ کربلا کے پس منظر اور پیش منظر کو اچھی طرح ذہن نشیں کر لینے کے بعد اس کی چکا چوند آج بھی اپنے رخ سے نقاب الٹنے کو تیار ہے۔ اب یہ کہنا قطعاً تاریخ کو جھٹلانا اور حقیقت کو چھپانا ہے کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے کربلا کی جنگ حصولِ اقتدار کے لیے کی تھی، ان کی منشا حکومت حاصل کرنا تھی۔ کوفیوں نے امام حسین سے جو عہد وپیمان کیا تھا، اسے یک لخت پس پشت ڈال دیا، انھیں ذرہ برابر بھی اس غداری پر پشیمانی نہیں ہوئی۔ یزید، ابن زیاد اور عمرو بن سعد وغیرہ نے زبردستی امام پر جنگ لادی، میدانِ کربلا میں انہیں ٹھہرنے پر مجبور کیا، نہرِ فرات کا پانی بند کیا گیا۔ جب امام نے دیکھا کہ اب جنگ کے سوا کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی تو اتمامِ حجت کے لیے تشریف لے گئے، ان کا وعدہ یاد دلایا، یہ بھی بتایا کہ میں جنگ کے ارادے سے نہیں آیا، میں تو تمھارے بلاوے پر آیا ہوں اور تم مجھے زبردستی جنگ کے لیے میدان میں کھینچ رہے ہو۔ امام نے اور بھی بہت کچھ کہا مگر شقی القلب یزیدیوں پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور انھوں نے یزید کی بیعت اور جنگ وحرب کے سوا کوئی اور پیش کش قبول نہیں کی، بالآخر تین دن کے بھوکے پیاسے حسین کو ان کے اعوان وانصار سمیت ان کے فرزندان واہل خانہ کے ساتھ شہید کر دیا گیا لیکن آپ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ کیا حقیقت میں حسین کو قتل کر دیا گیا، ان کی ذات وصفات کو مٹا دیا گیا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس قتل نے امام حسین کو زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر نے بڑا ہی حقیقت افروز شعر کہا ہے:

قتلِ حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

امام حسین تو ہمیشہ ہمیش کے لیے زندہ ہو گئے اور یزید پلید ہمیشہ کے لیے مر گیا۔ اس لیے فتح ونصرت امام حسین کی مانی جائے گی اور قیامت تک سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ کو فاتح کربلا کی حیثیت سے جانا اور مانا جاتا رہے گا۔ سانحہ کربلا کے پس منظر میں جھانکنے کے بعد ہمیں چند ایسے حقائق پوشیدہ نظر آتے ہیں جن کا تعلق دعوتی منہاج اور فروغ اسلام کے عمدہ طریقہ کار سے ہے۔ اس لے ذیل میں اجمالاً ہم انہیں واضح کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں فرمایا:

(ترجمہ) اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ وزیادتی میں باہم مدد نہ دو (مائدہ:۲)

امام حسین نے اللہ عزوجل کے اسی حکم کی بجاآوری کرتے ہوئے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور تَعَاوُنْ عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کے گناہ سے خود کو بچا لیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے جان ومال خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں (توبہ:۱۱۱)

امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس ارشادِ باری پر عمل کرتے ہوئے قیامت تک آنے والے تمام اہل ایمان کو درس دیا کہ دین اسلام کے تحفظ وبقا اور اخلاقِ نبوی کی سلامتی کے لیے جانِ عزیز کی قربانی ناگزیر ہے۔ اگر امام حسین یزید کی بیعت کر لیتے اور یزید کو اسلامی خلیفہ تسلیم کر لیتے تو خلافتِ اسلامیہ پر قابض ہوجانے کے بعد یزید جیسے شقی، بدبخت، فاسق وفاجر شخص سے کیا یہ امید کی جاسکتی کہ وہ منکراتِ شرعیہ اور اعمالِ بد کی روک تھام کے لیے موثر اقدام کرتا اور اسلام کے احکام وپیغامات اور سنتِ رسول کی اشاعت وفروغ کے لیے قانون بناتا؟ یا یہ کہ بعد بیعت امام حسین کو مشورہ کے لے طلب کرتا کہ دین وسنت کی تبلیغ وترویج کے لیے ہر ممکنہ پہلوؤں کو تلاش کیا جائے اور ان پر عمل درآمد ہو؟۔

یزید کا کردار وعمل اور اس کے نظریات بتاتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہ ہوتا اور یزید کے دربار کے حاضر باش اس سے قطعاً ایسا نہیں کرنے دیتے، اس لیے امام حسین نے یزید کے ہاتھ بیعت لینے سے انکار کر کے اور یزیدیوں کے خلاف دفاعی معرکہ لڑکر دنیا کے تمام مسلمانوں کو نفسیاتی لحاظ سے سوچنے کا موقع دیا اور انھیں یہ ذہن دیا کہ اللہ کی راہ میں جان وخاندان کی قربانی تو پیش کرنا منظور ہے مگر گناہ پر تعاون کرنے والی بیعت کا گناہ کرنے کی جرأت روحِ اسلام کے منافی ہے۔ سانحہ کربلا تاقیامت جملہ امت مسلمہ کے لیے نشان راہ متعین کرتا رہے گا اور اس کی عصری معنویت کبھی دھندلی نہ ہوگی -☆☆☆

تین کتابوں پر تبصرے

تبصرہ نگار: مولانا توفیق احسن برکاتی

نام کتاب: **مصباح الانشاء** [تین حصے]
مصنف: مولانا نفیس احمد مصباحی
صفحات: ۲۶۴/۱۵۲/۱۶۰
اشاعت: جولائی ۲۰۱۵ء/نومبر ۲۰۱۵ء/جولائی ۲۰۱۸ء
ناشر: مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

"**عربی**" مسلمانوں کی سرکاری زبان ہے، اسی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا، احادیث کریمہ کا ذخیرہ اسی زبان میں ہے، اہل اسلام کے علمی وروحانی خزانوں اور تاریخ اسلامی کا ماخذ ومرجع ہے یہ زبان، یہی زبان اصول شرع کا منبع ومصدر ہے، ائمہ کرام کے اجتہادات اور فقہی جزئیات اسی زبان میں موجود ہیں جو تاقیامت امت مسلمہ کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ اس لیے قرآن فہمی، حدیث دانی اور علوم شرعیہ سے واقفیت کے لیے اس زبان کا سیکھنا اور اس کے مالہ وماعلیہ سے کماحقہ آشنا ہونا از حد ضروری ہے۔ اسی مقصدِ عالی کے تحت مدارس اسلامیہ میں عربی ادب وانشا پر مشتمل نصابی کتابیں داخل کی گئیں تاکہ عربی درجات کے طلبہ ترجمہ نگاری اور انشا پردازی میں مہارت حاصل کرسکیں، انھیں قرآن فہمی کا شعور ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین وافعال کی مراد سے آگاہ ہوسکیں۔

۲۰۰۸ء میں جب جامعہ اشرفیہ کے کارپردازوں نے "تنظیم المدارس" کی بنیاد ڈالی تو اس کے لیے باضابطہ ایک جامع نصاب تعلیم تشکیل دیا گیا، جس میں جہاں علوم قرآن وحدیث کی تعلیم کو ٹارگیٹ کیا گیا وہیں عربی زبان وادب کی تعلیم وتدریس کو جدید رنگ وآہنگ میں نمایاں کیا گیا۔ نصاب ساز کمیٹی کے روح رواں استاذ گرامی ماہر لسانیات، عربی زبان وادب کے مذاق آشنا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی نگرانی میں جب تنظیم المدارس کے لیے نئی نصابی کتابیں تیار ہونے لگیں تو عربی انشا سے متعلق "مصباح الانشاء" نامی کتاب کرنے کی ذمہ داری استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی [استاذ جامعہ اشرفیہ] کے سپرد ہوئی، جس کے کل پانچ حصے ہوں گے اور یہ کتاب درجہ اولی سے درجہ سادسہ تک کے بچوں کے لیے تیار کی جائے گی، اس کا پہلا، دوسرا اور تیسرا حصہ طبع ہوکر داخل درس بھی ہوچکا ہے، یہ تینوں کتابیں اس وقت راقم الحروف کے روبرو ہیں، ان سطور میں انھیں کا تعارف مقصود ہے۔ حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی جامعہ اشرفیہ میں عربی ڈپارٹ کے ہیڈ ہیں اور اپنی علمی وادبی خدمات کی بنیاد پر حلقہ علما میں ایک اعتبار رکھتے ہیں، آپ نے بفضل الٰہی سیال قلم اور صالح فکر پائی ہے، اپنے اوقات کار کو منضبط کرنے کا جو سلیقہ حضرت کو آتا ہے وہ بہت کم علما میں دکھائی دیتا ہے، جس کے نتائج مجلس برکات کے زیر اہتمام طبع شدہ بہت سی عربی کتابوں پر ان کے تحریر کردہ جامع مقدمات اور تذکار ہیں۔ ان کے قلمی نشانات میں میزان المتنبی [شرح دیوان متنبی]، شرح نزهة النظر [تحقیق، تعلیق وتقدیم] كافية النحو [تصنیف]، المدیح النبوی [اردو ترجمہ]، کشف بردہ، بردۂ مدحت، مشائخ نقش بندیہ، وغیرہا کتابیں، امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے پانچ اردو رسائل کا عربی ترجمہ اور عربی واردو زبان میں بیشمار علمی وتحقیقی مقالات ومضامین ان کے نقوش علم کا جلال وجمال پیش کرتے ہیں۔

"مصباح الانشاء" ایک خاص عصری آہنگ کے ساتھ لکھی گئی ہے، اس کے ڈکشن بھی جدید ہیں اور لفظیات میں قرآنی کلمات اور احادیث نبویہ کی شمولیت نے اسے وقیع بنادیا ہے جس سے اس کا ادبی رنگ بھی نکھر گیا ہے اور انشائی پہلو بھی نمایاں ہوا ہے۔ تمرینات اور گرامر کی پیش کش میں طلبہ کی نفسیات کا خاص خیال رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب اسم بامسمیٰ بن گئی ہے اور اس کی افادیت میں چار چاند لگ گیا ہے۔

تینوں حصوں میں ترجمہ اور انشا کی مشقوں سے پہلے لازمی نحوی

وصرفی اصول بیان کر دیے گئے ہیں تاکہ انشا کے ساتھ عربی قواعد کا اجرا بھی ہو سکے اور مضمون نگاری، عبارت خوانی اور ترجمہ نگاری میں طلبہ کوئی دقت محسوس نہ کریں۔ قواعد میں بھی درجہ بندی کا لحاظ کیا گیا ہے تاکہ تفہیم میں پریشانی نہ ہو۔ عربی جملے عالم عرب کے اُدبا اور مصنفین کی کتابوں سے ماخوذ ہیں اور قرآن و حدیث کے کثیر اقتباسات بھی ترجیحاً شامل کیے گئے ہیں۔ عربی اور اردو جملوں کے انتخاب میں اس بات کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ ان سے اسلامی رنگ نمایاں ہو اور طلبہ کی اخلاقی تربیت ہو سکے۔ جہاں عربی، اردو اقتباسات درج ہیں وہاں حوالے بھی ہیں اور قرآنی آیات کی تخریج بھی کر دی گئی ہے جو ایک اچھا طریقہ ہے۔ حصہ اول کے تمام عربی جملوں پر اعراب لگایا گیا ہے، دوسرے اور تیسرے حصے میں طلبہ کو از خود اظہار اعراب کا موقع دیا گیا ہے جو ایک تربیتی عمل ہے اور اس میں یہی طریقہ مناسب ہے۔ بطور خاص تیسرے حصے میں جدید الفاظ و محاورات خاصی مقدار میں جمع کر دیے گئے ہیں اور بہت سی تاریخی، تمدنی اور جغرافیائی معلومات بھی تمرینات کے تحت سمودی گئی ہیں۔ تاکہ طلبہ ایک وسیع تناظر میں مضمون نگاری کر سکیں۔ روز مرہ زندگی کے لوازمات، عام سائنسی معلومات اور دیگر اہم تاریخی وسیاسی موضوعات پر مبنی دروس شامل کیے گئے ہیں تاکہ طلبہ کا تاریخی شعور پختہ ہو اور وہ اپنے اندر سیاسی سوجھ بوجھ پیدا کر سکیں۔ ان دروس کے مطالعے سے مصنف کی تاریخی و عصری آگہی کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہ وہ اخلاقی تربیت میں اپنا کیا معیار و منہاج رکھتے ہیں۔

حصہ اول میں ۳۲/ اسباق ہیں اور تمرینات کی کل تعداد ۱۲۶ ہے۔ حصہ دوم کو دو باب میں تقسیم کرکے باب اول میں نحو کے بقیہ احکام بیان کرکے تمرینات دی گئی ہیں اور باب دوم میں عام تمرینوں کو رکھا گیا ہے، اس میں تمرینات کی مجموعی تعداد ۴۶ ہے۔ حصہ سوم میں ۱۳/ دروس اور ۴۷/ تمرینات شامل ہیں۔ تینوں حصوں کے اخیر میں مصنف کے فرزند عزیز محب گرامی مولانا محمد رئیس اختر مصباحی [استاذ جامعہ اشرفیہ] نے دروس و تمرینات میں شامل مشکل عربی، اردو کلمات کی قاموس لکھی ہے جو ایک لغوی و لسانی جفاکشی ہے اور طلبہ کے لیے انتہائی مفید بھی، مصباح الانشاء میں چوں کہ جدید تعبیرات و محاورات اور عصری ڈکشن کو ترجیحی بنیاد پر جگہ دی گئی ہے اس لیے ضروری تھا کہ اس کے معانی اور ترکیب میں استعمال کیے گئے محاورات کا صحیح مفہوم بیان کر دیا جائے تاکہ طلبہ کو ترجمہ نگاری میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، اس لیے بھی "قاموس الکلمات الصعبة" کی اہمیت مسلم ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ اس میں اردو، عربی الفاظ و محاورات کے صحیح تلفظ کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ "مصباح الانشاء" جدید انداز میں لکھی گئی ایک ادبی کاوش ہے جس میں عصری آہنگ بھی ہے اور قاموسی رنگ بھی، زور بیان بھی ہے اور ادبی شان بھی، اور اس میں قدیم و جدید الفاظ و عبارات کا ایسا نگار خانہ سجایا گیا ہے جو اسے ایک امتیاز دیتا ہے اور عصر حاضر میں اس کتاب کی ضرورت و اہمیت کو نمایاں کرتا ہے۔ یہ کتاب جامعہ اشرفیہ اور دیگر مدارس اہل سنت میں داخل نصاب ہے راقم الحروف مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں سے اسے داخل درس کرنے کی اپیل کرتا ہے۔

نام کتاب: **مناقب العارفین** [حصہ اول]
تصنیف: شیخ یٰسین جھونسوی
ترجمہ: پروفیسر سید غلام سمنانی جون پوری
صفحات: ۱۸۴- اشاعت ثانی: جون ۲۰۱۸ء
ناشر: شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن، دہلی
قیمت: ۱۷۰/ روپے

تذکرہ نویسی ایک جوکھم بھرا کام ہے، جس میں ایک محقق مختلف اعاظم زمانہ اور بلند رتبہ ارباب کمال کے احوال و مناقب ثقہ روایتوں کی روشنی میں جمع کرتا ہے اور ان کی تعلیمات و ارشادات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ بزرگان دین، عارفانِ حق، اور اولیاے کاملین کے ساتھ شعرا و محققین، محدثین و مجتہدین، ادبا و مصنفین کے تذکار ایک زمانے سے لکھے جاتے رہے ہیں اور شائقین و وابستگان ان سے استفادہ کرتے ہیں، رجال حق کے ملفوظات بھی جمع کیے گئے ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کے مکاتیب و خطوط بھی مرتب ہوئے ہیں۔ تذکروں اور سوانحی خاکوں کا ماخذ و مرجع "فن اسماء الرجال" ہے جو کمال دیانت کے ساتھ راویانِ احادیث کے مفصل احوال بیان کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے اور حزم و احتیاط برتنے کا حکم دیتا ہے۔ تذکرہ نگاری بھی ادب کی ایک شاخ ہے، تحقیق کا شعبہ ہے، اس لیے یہاں بھی حد درجہ امانت و دیانت لازم ہے۔ "مناقب

العارفین“ مشائخ چشت کے احوال و مناقب پر لکھی گئی ایک اہم تاریخی کتاب ہے جو گیارہویں صدی ہجری میں مرتب ہوئی۔ مصنفِ کتاب شیخ یٰسین جھونسوی [۱۰۲۲ھ -۱۰۷۶ھ] گیارہویں صدی ہجری کے ایک عظیم عالم اور باکمال عارف و شیخ تھے۔ آپ مخدوم شاہ طیب بنارسی کے شاگرد و مرید اور خلیفہ و جانشین تھے، اسی طرح شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری [بانی خانقاہ رشیدیہ] کے تلمیذ خاص اور خلیفہ تھے۔ ان کا مزار مبارک جھونسی، الہ آباد، یوپی میں ہے۔

”مناقب العارفین“ اصل فارسی زبان میں دو حصوں پر مشتمل تھی، حصہ اول میں شاہ طیب بنارسی، شیخ تاج الدین جھونسوی، خواجہ کلاں جھونسوی، شیخ نصیر الدین جھونسوی، شاہ حسن داؤد بنارسی، شیخ فرید قطب بنارسی اور خواجہ مبارک سوندھو بنارسی کا تذکرہ ہے اور حصہ دوم میں علی الترتیب خواجہ محمد عیسیٰ تاج جون پوری، خواجہ فتح اللہ اودھی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور خواجہ معین الدین چشتی کے احوال و مناقب درج ہیں۔ یہ ایک فارسی تذکرہ تھا جو اپنے زمانہ تصنیف [۱۰۵۴ھ] سے پردۂ خفا میں تھا، اس کا اصل فارسی نسخہ ”کتب خانہ قدیم مظہر العلوم، بنارس“ میں موجود ہے۔ حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی نے سلسلہ رشیدیہ کے وابستگان میں پروفیسر سید غلام سمنانی جون پوری کو ترجمہ کی ذمہ داری سونپی، انھوں نے اس قدیم فارسی کتاب کے حصہ اول کا ترجمہ ۱۹۹۸ء میں مکمل کیا اور اشاعت سے سو سال قبل مترجم کا انتقال ہو گیا، بعد میں مفتی عبید الرحمن رشیدی کی تصحیح و نظر ثانی اور مفید حواشی کے ساتھ یہ کتاب ۲۰۰۰ء میں خانقاہ طیبیہ معینیہ، بنارس کے زیر اہتمام طبع ہوئی۔ دوسرے حصے کا ترجمہ مولانا ارشاد عالم نعمانی نے ۲۰۱۵ء میں مکمل کیا جو ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا۔ زیر نظر نسخہ ”مناقب العارفین“ [حصہ اول] کا دوسرا ایڈیشن ہے جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ یہ پروفیسر سمنانی جون پوری کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، موصوف نے نہ صرف اس کا فارسی سے اردو ترجمہ کیا ہے بلکہ مفتی عبید الرحمٰن رشیدی کی تقدیم کے بعد کتاب میں موجود ان کی لکھی ”سخن ہائے گفتنی“ بھی ایک جامع مطالعاتی تحریر کی نظیر پیش کرتی ہے، جو کتاب کے چوبیس صفحات کو محیط ہے اور بہت سے تاریخی، لسانی، اصطلاحاتی اور علمی حقائق منکشف کرتی ہے تحریر کے بین السطور میں محرر خود رجالِ غیب کی طرح قاری سے راز و نیاز کرتا محسوس ہوتا ہے۔ انھوں نے آغازِ تحریر میں ملفوظات اور سوانح کے مابین فرق و امتیاز کی وضاحت کی ہے اور کچھ تاریخی مجموعہ ہائے ملفوظ و کتب سوانح کے اسما شمار کرائے ہیں اور پھر مناقب العارفین پر اپنی گفتگو مرکوز کی ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں :

”یہ کتاب سوانح و ملفوظات کا مرکب ہے۔ یہ ”بحر ذخار“ کی طرح ضخیم تو نہیں اور نہ اس میں سیکڑوں اولیاء اللہ کے حالات ہیں لیکن پھر بھی اس کی حیثیت ایک اچھی خاصی کتاب کی ہے اور کتاب کا اصل متن کاتبِ حروف کے دیے ہوئے نشانات کے مطابق ۲۴۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔“ [ص:۲۸]

یہ ترجمہ رواں دواں اردو میں ہے جو فاضل مترجم کی ان زبانوں میں کامل مہارت کا پتہ دیتی ہے۔ تقدیم نگار ان کے متعلق لکھتے ہیں :

”آپ ایک قابل قدر و ذی علم شخصیت کے مالک ہیں، قدرت نے آپ کو بہت سے علوم و فنون بالخصوص تاریخ کے فن میں کامل دستگاہ عطا فرمائی ہے۔ اس کتاب کے ترجمے میں آپ کو کافی محنت اور عرق ریزی سے کام کرنا پڑا ہے۔ ترجمہ کا کام یوں ہی مشکل ہے، پھر کسی قلمی غیر مطبوعہ بوسیدہ نسخے کا ترجمہ جس میں جابہ جا ناصاف تحریریں بھی ہوں، یہ اس سے بھی مشکل تر ہے۔“ [تقدیم، ص:۲]

”مناقب العارفین“ [حصہ اول] کا زیادہ تر مواد شیخ یٰسین جھونسوی کے ذاتی مشاہدات، ثقہ روایات اور معتبر اطلاعات پر مبنی ہے اور حصہ دوم کا زیادہ تر مواد شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی ”اخبار الاخیار“ سے ماخوذ ہے، مصنف کی زبان و بیان کی لذت آفرینی کا احساس ترجمہ کے مطالعے سے بھی ہو جاتا ہے، اصل کتاب کا آغاز ان جملوں سے ہوتا ہے : ”وہ تعریف جس کی ادائیگی نے دوستوں کی حلق و زبان کو شیریں کیا ہے اور وہ شکر جس کے اظہار نے عاشقوں کے دل و جان کو تمکین کے مقام تک پہنچایا ہے، اس بادشاہ کے آستانے کے لائق ہے اور اس خدا کی بارگاہ کے شایان ہے کہ جس نے عاشقوں کو اپنے جمال کا گرویدہ اور اپنے جلال کا شیدا کیا اور عارفوں کو اپنی معرفت کے انعامات سے اپنی بخششوں اور نعمتوں کے کمال کی شناسائی کے مرتبے تک پہنچایا تاکہ اس کی معرفت سے اس کی قربت کی بو حاصل کریں۔“ [ص:۴۸]

مناقب العارفین کے حصہ اول میں سات مشائخ چشت کا تذکرہ محفوظ کیا گیا ہے جس میں سوانحی احوال بھی ہیں، ملفوظاتی جمال بھی، کردار کی شفافیت بھی ہے اور نوازش کی نظافت بھی، علم بھی ہے معرفت بھی، راہ شریعت بھی ہے راہ طریقت بھی، عشق بھی ہے، درد

بھی، شعور بھی ہے تدبر بھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ باکمال اور بلند رتبہ بندگان خدا کا ذکر دلوں میں سوز و گداز پیدا کرتا ہے، ان کے احوال زیست کے مطالعے سے قلب میں ایک ہلچل سی محسوس ہوتی ہے، دنیا سے اعتبار اٹھ جاتا ہے، سچے دل سے ان کا مطالعہ کرنے والا راہ سلوک کا راہی اور سالک بن جاتا ہے، اس لیے ایسی کتابیں آج بھی اپنی حیثیت کم نہیں ہونے دیتیں، بلکہ ان کی وقعت میں ہوش ربا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کے نقوشِ پا اپنانے کی توفیق بخشے، آمین۔ امید کہ شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن، دہلی کی یہ پیش کش مزید کامیابیاں وصول کرے گی۔ اللہ یہ خدمت علم قبول فرمائے، آمین –

نام کتاب: **کاوشِ نقد**
مصنف: محمد ولی اللہ قادری
صفحات: ۲۴۰-اشاعت: ۲۰۱۸ء
ناشر: مکتبہ صدف، پٹنہ، بہار
قیمت: ۳۰۰/روپے

"**ادب**" اظہارِ رائے اور انکشافِ حقیقت کی خوش سلیقگی کا نام ہے، جو زورِ بیان اور حسن ادا کا آہنگ رکھتا ہو، جس تحریر میں یہ رنگ پایا جائے وہ ادبی تحریر ہوگی۔ چاہے وہ مذہبی حقیقت پر مبنی ہو یا تاریخی و لسانی، تمدنی و عمرانی ابحاث پر مشتمل ہے، فکشن ہو یا شعر، تحقیق ہو یا تنقید، اسے ادب ہی مانا جائے گا۔ لیکن یار لوگوں نے تحریر کو ادب اور مذہب کے خانوں میں تقسیم کرکے بہت غضب ڈھایا ہے جس سے ان کی بدنیتی کا پتہ چلتا ہے۔ ہر اچھی تحریر جس میں "ادب" ہو، وہ "ادبی" ہے چاہے اس کا موضوع کچھ بھی ہو، ترجمہ قرآن ہو، تفسیری حقائق ہوں، لسانی موشگافیاں ہوں، تاریخ و تذکرہ ہو، درسیات پر مبنی کتب و رسائل ہوں، مذہبی مضامین و اشعار ہوں، اگر یہ سب تحریریں فن و ادب کے میزان پر کھری اترتی ہیں تو ان کے "ادبی" ہونے میں کلام کرنا بہت بڑی "ادبی دہشت گردی" ہے۔

"ادب پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔" اسے ثابت کر دکھایا ہے محترم مولانا محمد ولی اللہ قادری نے، جن کا مجموعہ مقالات "کاوش نقد" اس وقت تبصرہ کی میز پر ہے۔ یہ مضامین و مقالات تمام اہم ادبی موضوعات کو احاطہ کیے ہوئے ہیں، فاضل مصنف نے پوری ادبی شان اور علمی رسوخ کے ساتھ انھیں قلم بند کیا ہے، ان مضامین کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اردو ادب کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے، فکشن بھی ان کی پہنچ میں ہے، اچھی شاعری پسند کرتے ہیں، تحقیق و تنقید سے بھی گہرا یارانہ ہے اور خالص مذہبی موضوعات پر مبنی کتب و رسائل بھی ان کی دست رس میں ہیں، ادبی، نیم ادبی اور خالص مذہبی جرائد کا مسلسل مطالعہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مطالعاتی جہان کائناتی بن گیا ہے اور ان کے زبان و قلم میں ادب کے انفس و آفاق کا مشاہداتی رنگ چوکھا ہوگیا ہے۔

"کاوش نقد" میں کل ۳۳ مضامین اور تبصرے شامل ہیں جسے انھوں نے پانچ زمروں میں تقسیم کیا ہے: [۱] مذہبی مضامین [۲] شاعری [۳] تنقید و تحقیق [۴] تبصرے [۵] رسائل - مذہبی مضامین شاعری اور تنقید و تحقیق کے ذیل میں کل بائیس مضامین درج ہیں، بقیہ کتابوں اور رسائل کے خاص شماروں پر تبصرے ہیں۔ "دعائیہ کلمات" مفتی عبدالواجد قادری کے تحریر کردہ ہیں، ان کا خیال ہے:

"آج جب میں نے محمد ولی اللہ قادری کے قلم گوہر رقم سے ابلتے ہوئے آبشار حقیقت کو دیکھا تو بار بار قلم چوم لینے کو دل چاہا مگر صرف خیالی قلم بوسی کے اور کچھ بھی نہیں کر سکا۔ جس جس مضمون پر گوہر فشانی کی گئی ہے حق و انصاف کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔" [ص:۹]

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی لکھتے ہیں: "شخصیت میں توازن ہو، موضوع پر نظر ہو، زبان پر قابو ہو، اور غور و فکر کے بعد قلم اٹھانے کی عادت ہو تو پھر قلم کار کی ہر تحریر اس قابل ہوتی ہے کہ اسے توجہ سے پڑھا جائے۔ یہی بات ولی اللہ صاحب کی نگارشات کے حوالے سے بھی کہی جا سکتی ہے۔" [ص:۱۰]

ڈاکٹر واحد نظیر، دہلی نے چار صفحاتی مقدمہ تحریر کیا ہے اور مضامین و مشمولات کا تجزیہ کیا ہے، آغاز میں وہ لکھتے ہیں کہ: "پیش نظر مضامین کا مجموعہ "کاوش نقد" کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی علوم کے ماہرین کو لائق ادبی رہنما مل جائیں تو ان کے قلم سے وجود پذیر ہونے والی تحریریں توقعات کے نئے افق کی شناخت کر سکتی ہیں۔" مولانا محمد ولی اللہ قادری بریلی شریف سے درس نظامی کے فارغ التحصیل ہیں، ادارہ شرعیہ، پٹنہ سے تخصص فی الفقہ کا کورس کیا ہے، فی الحال مگدھ یونیورسٹی، بودھ، گیا کے پی ایچ ڈی اسکالر ہیں۔ انھوں

نے یہ مضامین مختلف اوقات میں رسائل و جرائد کے لیے تحریر کیے ہیں۔ ان کا سال تصنیف ۲۰۰۸ء اور ۲۰۱۴ء کا درمیانی عرصہ ہے، جیسا کہ ہر مضمون کے اخیر میں دیے گئے سن عیسوی سے پتہ چلتا ہے۔ مذہبی نوعیت کے مضامین بھی ادبی زبان میں ہیں جن میں تاریخی قدامت بھی ہے اور عصری تازہ کاری بھی، ادبی آہنگ بھی ہے اور فکری جودت بھی، چاہے وہ ”ملفوظات مخدوم جہاں کی عصری معنویت“ ہو یا ”سرکار مفتی اعظم کا اسلوب فتویٰ نویسی“، ”علامہ ارشد القادری کی مقدمہ نگاری ہو“ یا ”یادگار سلف: مختار الدین احمد آرزو“ اور ”مسعود ملت کی تحقیقی و تنقیدی انفرادیت“ مولانا ولی اللہ قادری نے ہر مضمون کو ایک خاص ادبی اسلوب میں تحریر کیا ہے، ان کی تحریروں میں محض زبان کا چٹخارہ پن نہیں ہے بلکہ بیان میں استدلالی اور معروضی انداز نے ان تحریروں کو انتہائی وقیع بنادیا ہے، اور اس میں وہ رنگ پیدا ہو گیا ہے جو ایک اچھی تحریر کی خوبی ہوتی ہے۔ ”کاوش نقد“ کے مشمولات میں ہنگامہ آرائی بالکل بھی نہیں ہے، بلکہ ایک طرح کی سنجیدگی اور پر لطف بہاؤ ہر جگہ نظر آتا ہے، جرح و نقد میں بھی مصنف انتہائی متین دکھائی دیتے ہیں جہاں عام طور پر قلم کار جذبات کی رو میں بہ جاتے ہیں اور ان کا تنقیدی سرمایہ قابل اعتنا نہیں گردانا جاتا اور ان کی کوشش کامیاب نہیں ہو پاتی۔ البتہ چند مقامات پر زبان و لفظ کی ثقالت ذرا گراں گزرتی ہے، مثلاً ”ملفوظ“ کی جمع اردو میں ”ملفوظات“ استعمال ہوتی ہے، لیکن ولی اللہ قادری نے ملفوظات کے ساتھ کچھ جگہوں پر ”ملافیظ“ استعمال کیا ہے، اسی طرح لفظ ”تقاضا“ ”تقاضہ“ استعمال ہوا ہے۔ کہیں کہیں ”حامل“ کی جگہ پہ ”جامع“ کا لفظ مبالغہ آرائی کا وہم پیدا کرتا ہے۔ پھر بھی بہت اچھی زبان ہے، لفظیات بھی انتہائی دلکش اور مانوس ہیں، جملے اور ترکیبیں بھی فکر انگیز اور معنی خیز استعمال ہوئی ہیں۔ سرکار مفتی اعظم کے اسلوب فتویٰ نویسی کے جو امتیازات شمار کرائے ہیں وہ انتہائی خاص ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں:

”سرکار مفتی اعظم ہند کے اسلوبِ فتویٰ نویسی میں یہ بات بھی توجہ کی طالب ہے کہ اگر الزامی جواب کے طور پر ساقط از تہذیب موضوع کو عبارات میں لانا پڑتا ہے تو اس میں ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ ہر جگہ تلذذ پر تنفر اور کراہیت کا احساس چھایا رہتا ہے۔ اور حاشا و کلا کہیں بھی تلذذ سر اٹھا کر عریانیت نہیں بن پاتا ہے۔ بیشک یہ بیان مضمون میں عریانیت کے مقام سے دامن بچا کر مقصدیت کے علم کی سلامتی و سرفرازی کے ساتھ گزر جانے کی بہت ہی نازک مثال ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، فتاویٰ مصطفویہ، ص:۱۰۷۔

[ص:۳۳]

مضمون کے اخیر میں انھوں نے بالکل درست نتیجہ نکالا ہے:

”مذکورہ نکات سے ظاہر ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کی فتویٰ نویسی اپنے ادبی و علمی اور فنی اسلوب سے بھی اپنی شناخت بناتی ہے، حقیقت یہی ہے کہ اگر انھیں اپنے دور کا صاحب طرز فتویٰ نویس کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔“ [۳۵]

کتاب میں ایک مضمون ”نصرۃ الاصحاب: ایک مطالعہ“ کے نام سے ہے، یہ علامہ محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی انتہائی اہم کتاب ہے اور مسئلہ ایصال ثواب پر اچھی روشنی ڈالتی ہے، مقالہ نگار نے اس کا بھرپور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے اور علامہ بہاری کے فکری و استدلالی انداز بیان اور ان کے اخاذ ذہن کی خوب داد دی ہے۔ ”شاعری“ کے تحت سات مضامین درج ہیں جس میں کا ہر مضمون بھرپور مطالعے کے بعد لکھا گیا ہے اور ان میں شاعری کی تاریخ، نعتیہ شاعری کے امتیازات اور ارباب شعر کے فکری و فنی کمالات کو مجلا کیا گیا ہے۔ تنقید و تحقیق کے باب میں بھی سات مضامین ہیں، ان میں فاضل مصنف مختلف شعرا و ادبا، ناقدین و محققین کی تحریروں میں علمی و ادبی نکات تلاش کرتے کرتے خود نکتہ آفرینی کرتے دکھائی دیتے ہیں، جو بہت بڑا کمال ہے۔ ایک اندازہ اور ہوتا ہے کہ محمد ولی اللہ قادری کو جہاں تحقیقی و تنقیدی کتابوں سے گہرا تعلق ہے وہیں وہ فکشن اور تبصروں کو بھی لائک کرتے ہیں اور اس کے مالہ و ماعلیہ کی اچھی شناسائی رکھتے ہیں، اس خوبی کا پتہ اسی کتاب میں موجود گیارہ کتب و رسائل پر ان کے تحریر کردہ تبصروں سے بھی ملتا ہے۔ حاصل یہ کہ محمد ولی اللہ قادری کا یہ مجموعہ مضامین واقعی ایک نقد کاوش ہے، اس لیے اسے اسم با مسمیٰ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

☆☆☆

منظومات

ابھی میں لوٹ کے آیا ہوں کل سرکار کے در سے

ذرا سا فاصلہ ہے ان کے در کا دیدۂ تر سے
اِدھر آنکھیں ہوئیں نم دل مچل کر چل دیا گھر سے

یہ کہ کر اس نے میرے دل کی دھڑکن تیز کر ڈالی
ابھی میں لوٹ کے آیا ہوں کل سرکار کے در سے

بڑی تاریکیاں دنیا میں ہیں اے نور کے پیکر
حجابوں کو ہٹا دیجیے ذرا سا روے انور سے

میں ان کا امتی وہ کوثر و تسنیم کے مالک
بڑا گہرا تعلق ہے مِرا بھی حوضِ کوثر سے

سمندر ہی پلا دے ساقیِ مے خانۂ بطحا
نہ بجھ پائے گی میری تشنگی یوں اک دو ساغر سے

رسالت عام ہے ان کی دو عالم میں ہر اک شے کو
گواہی لی رسالت کی مِرے آقا نے پتھر سے

نگاہِ مصطفیٰ کا فیض کیا ہے ، کیسے ملتا ہے؟
کوئی پوچھے یہ جا کے حضرتِ سلمان و بوذر سے

تم اپنے دل کی سوکھی کھیتیوں کو سامنے لاؤ
برس جائے گا ان کا ابرِ رحمت خود سمندر سے

شفیعِ عاصیاں ہیں وہ تمھیں بھی بخشوائیں گے
سکوں رکھو، نہ گھبراؤ قمر تم روزِ محشر سے

از: مولانا قمر الحسن قمر بستوی، امریکہ

☆☆☆

ہمارے گھر پہ بھی آجاؤ اب خیر البشر آقا

لگائے آس بیٹھا ہوں یہی شام و سحر آقا
بلا لیجے خدارا پھر مجھے طیبہ نگر آقا

اسی کی زندگی ہے زندگی بس کارگر آقا
تمھارے عشق میں جسکی بھی ہوجائے بسر آقا

دھڑکتے دل کو راحت اب مرے مونس عطا کر دو
تمھاری یاد میں سویا نہیں ہوں رات بھر آقا

سند مل جائے گی جنت میں داخل شان سے ہونگا
بوقت جانکنی دیدار ہوجائے اگر آقا

محبوں کے گھروں پہ آپ کی جلوہ گری ہوتی
ہمارے گھر پہ بھی آجاؤ اب خیر البشر آقا

اگر کشکول زلفیں والضحیٰ چہرہ دکھادو گے
مری یہ زندگی ہوجائے گی پھر معتبر آقا

زنان مصر نے انگلی کٹائی حسن یوسف پر
عرب میں نام پر تیرے، کٹے مردوں کے سر آقا

سوال اخترؔ سے کرنے جب فرشتے قبر میں آئیں
ادب سے پھر سناؤں نعت تیری جھوم کر آقا

☆☆☆

از: اختر رضا قادری، بہیری

آہستہ آہستہ

پڑھا کرتا ہوں جب صلِ علیٰ آہستہ آہستہ
اثر کو ڈھونڈ لیتی ہے دعا آہستہ آہستہ
بلاتے ہیں مجھے شام و سحر طیبہ کے نظّارے
مِرے کانوں میں آتی ہے صدا آہستہ آہستہ
مٹا اپنی ہستی میں نے جب عشقِ محمد میں
ملا ہے زندگانی کا مزہ آہستہ آہستہ
انھیں آواز دی ہے دھوپ کے صحرا میں جب میں نے
تو سر پہ چھائی رحمت کی گھٹا آہستہ آہستہ
سعیدؔ اس کو مِرے آقا نے بخشش کی بشارت دی
خطاؤں پر جو اپنی روپڑا آہستہ آہستہ

☆☆☆

از: سعید رحمانی، مدیر ادبی محاذ، کٹک

منقبت
در شان حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ

تھا ایسا دل نشیں چہرا مِرے صدر الشریعہ کا
زمانہ کیوں نہ ہو شیدا مرے تاج الشریعہ کا
شعاعِ علم و حکمت پھوٹتی تھی ان کے پیکر سے
بڑا دلکش سراپا تھا مرے تاج الشریعہ کا
بنایا ہے خدا نے داعیِ علمِ رضا ان کو
یہ منصب اور یہ رتبہ مرے تاج الشریعہ کا
زبان و دل پہ تھا ذکرِ الٰہی ، ذکرِ پیغمبر
مثالِ نور تھا تقویٰ مرے تاج الشریعہ کا یقیں
ہے رحمتِ احمد رضا ہوگی شرف مجھ پر
جو مل جائے مجھے صدقہ مرے تاج الشریعہ کا

از: قاری محمد شرف الدین مصباحی

سفر آخرت

آہ! امینِ شریعت مفتی عبدالواجد نیّر قادری بھی نہیں رہے

اک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری

ابھی ہم لوگ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ کا غم بھلا بھی نہ پائے تھے، کہ خبر آئی: امین شریعت، ادارہ شرعیہ بہار حضرت علامہ مفتی عبدالواجد قادری، دربھنگوی بھی نہ رہے، یعنی ۲۶/ جولائی ۲۰۱۸ء بروز پنجشنبہ (۱۲/ ذیقعدہ: ۱۴۳۹ھ) ہالینڈ میں راہی ملک بقا ہوگئے، نعش مبارک وہاں سے انڈیا لائی گئی، اور دربھنگہ (بہار) میں آپ کی مخصوص زمین پر بعد نماز جنازہ تدفین عمل میں آئی، بڑی تعداد میں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ ادا کی اور ایصال ثواب کی شکل میں خراج عقیدت پیش کیا، عمر شریف تقریباً ۹۰/ سال تھی۔ بڑی با اخلاق، ملنسار اور خوش خصال شخصیت کے مالک تھے۔

امین شریعت، ایک عرصے تک ادارہ شرعیہ پٹنہ میں دارالافتا کی زینت بنے رہے، پھر ایک طویل زمانہ ہالینڈ کی سرزمین پر گزارا، وہاں دین کی خدمت اور مسلک حق کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے، وہاں کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک مجموعہ بنام "فتاوے یورپ" بھی شائع ہو چکا ہے، ادارہ شرعیہ میں قیام کے دوران جو فتاوی تحریر میں آئے تھے ان کی بھی کئی جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، آپ کی اور بھی تصانیف ہیں، جن میں "قرآنی تعلیمات" (دو حصے) کافی مقبول ہوئی، اور ایک اہم کتاب "قادیانی دھرم" ہے، جو عصر حاضر میں قادیانیت کے رد پر واحد تحقیقی کتاب ہے، اس کی اشاعت مکتبہ جام نور دہلی سے ہو چکی ہے، لیکن افسوس کہ اس وقت مارکیٹ سے غائب ہے، جب کہ اس کی خوب خوب اشاعت ہونی چاہیے، بلکہ ھندی، انگریزی زبانوں میں بھی اسے منتقل کیا جانا وقت کا اہم تقاضا ہے، کیوں کہ قادیانیت مَری نہیں ہے، قادیانی اپنے فاسد افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت میں لگے ہوئے ہیں، وہ ایسے گاؤں اور دیہاتوں میں جاکر مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، جو دینی تعلیم میں بہت پیچھے ہیں اور خود شہروں میں بھی مسلمانوں کا اپ ٹوڈیٹ (up to date) طبقہ جسے دین کی صحیح معلومات حاصل نہیں، ان کے فاسد افکار کا شکار ہو رہا ہے، سنی اداروں اور تنظیموں کو چاہیے، کہ اس کتاب کی ترویج و تقسیم میں بطور خاص دلچسپی لیں، تاکہ ناواقف مسلمان قادیانیت کے جراثیم سے محفوظ رہیں، اور جو آگاہ ہیں، ان کی معلومات میں اضافہ ہو، اور کبھی قادیانیوں سے سابقہ پڑ جائے تو بحث کر کے انھیں زیر کر سکیں۔

حضرت امین شریعت علیہ الرحمۃ سے میری آخری ملاقات دو سال قبل پونَد، ضلع دربھنگہ کی ایک دینی کانفرنس میں جاتے ہوئے ہوئی تھی، بلکہ دربھنگہ سے پوند تک ان ہی کی گاڑی سے اور حضرت ہی کی ہم رکابی میں سفر طے ہوا تھا، خاص اس سفر میں بھی حضرت امین شریعت علیہ الرحمۃ کے مشفقانہ برتاو اور اخلاق کریمانہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا تھا۔

حضرت امین شریعت علیہ الرحمۃ ہالینڈ میں رہتے ہوئے بھی ادارہ شرعیہ کی تعمیر و ترقی میں کوشاں رہتے تھے، اور اس کے نظام کی درستی پر بھرپور توجہ دیتے اور جب ہندوستان آتے تو اپنا قیمتی وقت ادارے کو عنایت فرماتے۔ آپ کی ذات اہل سنت کے لیے اتحاد کی علامت تھی، آپسی انتشار کو سخت ناپسند فرماتے، اور اسے جماعت کے خسارے کا سبب گردانتے۔

آپ کے فرزند سعید مولانا مفتی فیضان الرحمٰن سبحانی ازہری حفظہ ربہ آپ کے سچے جانشیں ہیں، آپ کی خدمات کو آگے بڑھانے میں لگے ہوئے ہیں، والد گرامی کے اشارے پر ایک اچھا تعلیمی ادارہ بھی قائم کیا ہے، جس میں جدید خطوط پر تعلیم و تربیت کا کام انجام پا رہا ہے، مولیٰ عزوجل اس ادارے کو ترقی و کامیابی سے ہمکنار فرمائے، اور اہل خیر حضرات کو اس کے تعاون کا حوصلہ بخشے، آمین۔

حضرت امین شریعت کے اٹھ جانے سے جماعت اہل سنت میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، ادارہ شرعیہ کا بھی اس سے ایک ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کا نعم البدل عطا فرمائے، آپ نے ہندو بیرون ہند جو دینی خدمات انجام دی ہیں انھیں قبول فرمائے، آپ کے درجات بلند کرے، اور صاحبزادۂ والا تبار کو آپ کی خدمات کا امین و وارث بنائے، اور سچا جانشین۔

میں عزیز موصوف اور دیگر پسماندگان کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتے ہوئے صبر کی تلقین کرتا ہوں اور صبر و شکر پر ماجور و مثاب ہونے کے لیے دعا گو بھی ہوں۔

الحمد للہ صاحب زادے میں بھی حضرت علیہ الرحمۃ کی بہت ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں، ان کے اخلاق و کردار کے آئینہ دار بھی ہیں، رب کریم استقامت سے نوازے اور والد گرامی کے چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و اٰلہ و صحبہ الصلاۃ والتسلیم۔

ابراہیم منزل، کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳۔ خادم: دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو، یوپی

صدائے بازگشت

جون اور جولائی ۲۰۱۸ء کا تصحیح نامہ

محترم ایڈیٹر صاحب، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج ہمایوں

ماہ نامہ اشرفیہ کے جون ۲۰۱۸ء کے شمارے میں شائع میرے مضمون کی پہلی قسط کے صفحہ ۳۰/ پر کسی صاحب نے اتباع کو مونث سمجھ کر میری عبارت کو "حضرت معاویہ کی اتباع کرلی" سے بدل دیا، حالاں کہ "اتباع" مذکر ہے۔ فیروز اللغات شائع کردہ یٰسین بک ڈپو دہلی، ص: ۶۳/ پر بھی اسے مذکر بتایا گیا ہے۔

میں نے بھی غفلت و بے توجہی کے نتیجہ میں جولائی ۲۰۱۸ء کے شمارے میں شائع مضمون کی دوسری قسط میں صفحہ ۲۳/ اور ۲۴/ پر میم اور نون کو بالترتیب ضمیر جمع مذکر حاضر اور ضمیر جمع مونث حاضر لکھ دیا ہے، جب کہ درست یہ ہے کہ "عنکم" اور "یطھرکم" میں ضمیر صرف کاف ہے اور میم جمع مذکر عاقل کی علامت ہے اور عنکن اور یطھرکم میں بھی ضمیر صرف کاف ہے اور نون مشدّد جمع مونث کی علامت ہے۔

کچھ علماے نحو کاف اور میم اور کاف اور نون کو ایک کلمہ قرار دے کر "کم" اور "کن" کو ضمیر مانتے ہیں۔

طالبِ دعا: محمد عارف اللہ
استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو

"وراثت میں لڑکیوں کا حصہ" کامیاب تحریر

مخدوم گرامی وقار محترم المقام لائق صد احترام عالیجناب الحاج مبارک حسین مصباحی صاحب، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام کے عرض ہے کہ اشرفیہ مبارک پور ماہ جون ۲۰۱۸ء کے رسالے میں ایک مضمون کا مطالعہ کیا جس کا عنوان ہے "وراثت میں لڑکیوں کا حصہ ایک مثبت جائزہ" اس مضمون کا مطالعہ کر کے کما حقہ واقفیت حاصل ہوئی اور میرے علم میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کے مصنف جناب محسن رضا ضیائی صاحب اور جناب ساجد رضا مصباحی صاحب کو میری جانب سے مبارکباد پیش خدمت ہے۔ ان دونوں برگزیدہ ہستیوں نے اتنے اعلیٰ عمدہ مضمون تحریر کر کے امتِ مسلمہ کی اصلاح کی کوشش کی ہے اور تمام خواتین پر ایک احسانِ عظیم کیا ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ واضح کر دیا ہے کہ خواتینِ اسلام بھی ترکہ کی مستحق ہیں اور اپنے والدین کی جائداد کی ورثا ہیں۔ آپ دونوں ہستیوں نے قرآن و حدیث کے حوالے سے خواتینِ اسلام کے حقوق کو جو بیدار کیا ہے میں اور تمام خواتینِ اسلام آپ کے اس مضمون کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کی قلب کی گہرائیوں سے منت پذیر اور شکر گزار ہوں گی۔ اور مجھے امید قوی ہے کہ جو بھی حضرات آپ کے رسالے کا مطالعہ کرتے ہیں وہ اس مضمون کا مطالعہ کر کے اپنی بہن، بیٹیوں کے ساتھ قرآن و حدیث کے مطابق ہی ترکہ کو ورثا میں تقسیم کریں گے۔ آپ نے عبرت انگیز مضمون تحریر کیا ہے۔

جناب ایڈیٹر صاحب! آپ نے جو اتنا اعلیٰ عمدہ اور معلوماتی مضمون اپنے رسالے میں شائع کیا ہے اس کے لیے میں قلب کی گہرائیوں سے آپ کی بھی شکر گزار ہوں۔

جناب ایڈیٹر صاحب میرے حاجی بابا (جناب الحاج محمد نبیہ قصاب ثقلینی، بانی مدرسہ غوث الثقلین، مہمند ہدف، شاہجہان پور) آپ سے ہر ماہ ۵/ رسالے لیتے ہیں اور ایک رسالہ مجھ کو بھی مطالعہ کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ جیسے ہی حاجی بابا مجھے رسالے سے نوازتے ہیں میں سارے مضامین کا مطالعہ کرتی ہوں اور میں اپنی مختصر سی معلومات میں مزید اضافہ کرتی ہوں۔

جناب ایڈیٹر صاحب! آپ کے لیے اور تمام مضامین نگار کے لیے اور جناب محسن رضا ضیائی اور جناب ساجد رضا مصباحی صاحب کے لیے میں اللہ رب العزت سے دعا کرتی ہوں کہ مولاے کریم اپنے پیارے محبوب ﷺ کے صدقے و طفیل میں آپ کے ادارہ کو دن دونی، رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور آپ کی اور آپ کے تمام کارکنان حضرات کی اور تمام مضامین نگاروں کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس ﷺ۔

از: مریم ثقلینی بنت منا ثقلینی ابن نصر اللہ شرافتی
مدرسہ غوث الثقلین، مہمند، ہدف، شاہجہان پور (یوپی)

پیغامِ رضا

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ

العزیز(متوفیٰ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی علمی جلالت اور دینی خدمات کا ڈنکا آج چہار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔آپ نے دین حق کی پاسبانی کا عظیم فریضہ انجام دے کر اسلامیان ہند کے ایمان وعقیدے کو تحفظ فراہم کیا۔ورنہ بد عقیدگی کا طوفان معلوم نہیں امت مسلمہ کو ضلالت وگمراہی کے کس گڑھے میں جا گراتا۔متعدّد گمراہ جماعتیں اور الحاد پیشہ افراد ہر چہار جانب سے مسلمانوں کو اپنے دامنِ تزویر میں پھانس رہے تھے،اور مشکل یہ تھی کہ ہر ایک اسلام ہی کا نام لیتا اور اصلاح وہدایت ہی کا دعویٰ کرتا تھا،ایسے نازک وقت میں برصغیر (ہند وپاک،بنگلہ دیش) میں دین کے احیا اور تجدید کا کام کرکے امام احمد رضا ہی نے بروقت مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچایا۔انھیں اسلاف وبزرگانِ دین کے مسلکِ حق پر قائم رہنے کی تلقین کی اور نئے فتنوں سے بچایا۔صدیوں سے چلے آرہے مراسم و معمولات اہل سنت کو شرک وبدعت سے تعبیر کرنے والوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا،جائز مراسم کی پشت پر دلائل کا انبار لگا دیا،اور واقعی جو رسمیں غلط اور ناجائز تھیں ان کے خلاف کھل کر قلم اٹھایا اور ان کا رد بلیغ کیا۔یعنی حق کو حق اور باطل کو باطل بتایا،اور اس راہ میں کسی لومت لائم (کسی ملامت کرنے والے کی ملامت) کی ہرگز پروا نہیں کی۔اپنوں کا بھی کچھ لحاظ نہیں کیا کہ "الدین النصح لکل مسلم" کا تقاضا ہی یہی تھا،کہ اپنوں کو بھی غلط راستے سے بچا کر ہدایت کا راستہ دکھایا جائے۔ایسے موقعوں پر اپنوں کا لحاظ وخیال کرنا،انھیں ان کی گمراہی پر چھوڑ دینا اور اپنے کو ملامت سے،بچانا سچی خیر خواہی نہیں،آپ نے اپنے اس عمل سے اپنوں کی بھی رہنمائی فرمائی اور معاندین اہل سنت کو بھی ان کے گھر تک پہنچایا۔اس لیے علماے عرب و عجم نے آپ کو چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔

مجدد اسی کو کہتے ہیں جو دین کو اپنے عہد میں تحفظ فراہم کرے اور باطل افکار ونظریات کا قلع قمع کرے اور اس راہ میں اپنے اندر کوئی کمی اور کمزوری نہ محسوس کرے۔آج ہم اسلامیان ہند ہی نہیں پوری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان امام موصوف کے فضل وکمال اور ان کی دینی خدمات کے معترف ہیں اور ممنون احسان بھی۔

آج بریلی شریف میں تو اعلیٰ حضرت کا یوم وصال منایا ہی جاتا ہے۔ہند وپاک کے مختلف شہروں میں جشن رضا کی دھوم مچتی ہے۔بلکہ اب تو یورپ وامریکہ اور دنیا کے مختلف براعظموں میں بھی یاد رضا منائی جارہی ہے۔جو امام عشق ومحبت کے مقبول بارگاہ رسالت ہونے کی بین دلیل ہے۔کیوں کہ آپ نے پوری دنیا کو زندگی بھر سرکار مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ کے عشق ومحبت کا جام پلایا۔اور مخلوق خدا کو غلامی مصطفیٰ کا درس دیا،اس لیے آپ کے کلام نثر ونظم میں عشق رسول کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔اور کیوں نہ ہو کہ ہر عاشق رسول کے لیے عشق رسالت ہی سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔اعلیٰ حضرت نے اس قیمتی سرمایے کو خوب خوب بانٹا جس سے سارا عالم سرمست وسرشار ہو اٹھا۔بس یہی وجہ ہے کہ ہر طرف

ع کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے۔

کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

اسی لیے امام عشق ومحبت اپنے ایمان افروز کلام میں فرماتے ہیں۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

اب ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کے فکر وفن اور ان کے فضل وکمال کو مزید عالم آشکارا کیا جائے۔آپ کی تصانیف اور آپ کی حیات وخدمات پر مشتمل کتابوں کو عربی،انگریزی اور دنیا کی مختلف زبانوں میں طبع کرایا جائے۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ عصر حاضر میں اس محسن اہل سنت ومجدد دین وملت کی بارگاہ میں یہ سب سے بہترین خراج عقیدت ہے تاکہ جو اب تک نہیں جان سکے ہیں وہ جانیں اور جو کسی غلط فہمی کے شکار ہیں وہ حقائق سے آگاہ ہوں،اور معاندین کے پھیلائے ہوئے غلط پروپیگنڈوں کا ازالہ بھی ہو۔

اس سلسلے میں دردمندان اہل سنت سے گزارش ہے کہ ارشادات اعلیٰ حضرت (از: راقم سطور) تعلیمات اعلیٰ حضرت (از: مولانا میکائیل ضیائی) امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں اور امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات (از: مولانا یٰسین اختر مصباحی) فاضل بریلوی اور امور بدعت (از: سید محمد فاروق القادری) امام احمد رضا اور ان کی تعلیمات (از: نعمانی) فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں، رہبر ورہنما، اجالا، محدث بریلوی (از: پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی) اور ان جیسی دوسری تصانیف کو عام کیا جائے۔

ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ بدعقیدہ اور گمراہ جماعتوں نے جو گمراہ کن نظریات پھیلائے ہیں ان کی خوب تشہیر کی جائے تاکہ اہل سنت کے بھولے بھالے افراد جو ان کی ظاہری دین داری دیکھ کر ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔اس کا ازالہ کیا جاسکے۔اس کے لیے ان چند کتابوں کی خوب اشاعت کی جائے۔

(۱)۔المصباح الجدید (عقائد علماے دیوبند،از: حضور حافظ ملت

علیہ الرحمۃ والرضوان)(۲)-الحق المبین (از: غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہا لرحمہ)(۳)-خون کے آنسو (از: پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ)

ان تین کتابوں کو کثیر تعداد میں چھپوا کر فروخت کیا جائے اور ہدیۃً بھی تقسیم کیا جائے۔ اور ان میں سب سے اہم جو کتاب ہے "تمہید ایمان بہ آیات قرآن" جسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ایمان و عقیدے کے اندر پختگی پیدا کرنے کے لیے قرآنی آیات کو سامنے رکھتے ہوئے تصنیف فرمایا ہے۔ افسوس کہ اس کتاب جیسی کچھ اشاعت ہونی چاہیے اب تک نہ ہوئی۔ میری عقیدت مندان اعلیٰ حضرت سے اور امام رضا کے نام پر قائم ہونے والی اکیڈمیوں، تنظیموں اور اداروں سے گزارش ہے کہ اس ایمان افروز کتاب کو اردو، ہندی، گجراتی، بنگلہ اور انگریزی زبان میں ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں تقسیم کریں۔ آج نہ عقیدت کی کمی ہے، اور نہ مال و دولت کی، بس صحیح سمت توجہ دینے کی کمی ہے۔ اگر اہل ثروت اور اہل عقیدت حضرات نے اس گزارش پر کان دھرا اور کچھ کر گزرے تو میں سمجھتا ہوں کہ امام اہل سنت کی بارگاہ میں یہ سب سے بڑا خراج عقیدت اور سب سے بھاری فاتحہ ہوگا۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں
فیضان محبت عام تو ہے، عرفان محبت عام نہیں

از: محمد عبد المبین نعمانی مصباحی
المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

تجاویز بابت جشن صد سالہ امام احمد رضا ۱۴۳۹ھ

❶- حیات اعلیٰ حضرت از فتاویٰ رضویہ و الملفوظ (یعنی ان دو اہم مصادر سے حیات اعلیٰ حضرت کے گوشوں کو تلاش کر کے مرتب کرنا)۔

❷- فتاویٰ رضویہ، قدیم کی مکمل تصحیح کے بعد اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

❸- حدائق بخشش اول، دوم کی فرہنگ سازی اور اشاریہ اَعلام کی ترتیب۔

❹- رسائل امام احمد رضا (عربی) کی یکجا اشاعت۔

❺- مقالات رضا بابت شعر و شاعری جو شائع شدہ رسائل و کتب میں موجود ہیں۔

❻- مقالات رضا بابت فقہی بصیرت جو شائع شدہ رسائل و کتب میں موجود ہیں۔

❼- مقالات رضا دیگر موضوعات پر جو شائع شدہ رسائل و کتب میں موجود ہیں۔

❽- امام احمد رضا کے بارے میں ارباب علم و دانش کی آرا کی اشاعت کا اہتمام۔

❾- خلفائے اعلیٰ حضرت مفصل کی ترتیب و تدوین و اشاعت۔

❿- قلمی فتاویٰ رضویہ کی حفاظت اور فوٹو کاپی کا انتظام۔

⓫- اعلیٰ حضرت کی قلمی کتابوں کی حفاظت، قلمی مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید، کلکتہ میں جناب الحاج مقبول انصاری کے پاس موجود ہے، اور قلمی حاشیہ علیٰ زیج الایلخانی مولانا مفتی جہاں گیر خاں فتح پوری علیہ الرحمۃ (تال نرجا ضلع مئو، یوپی) کے پاس تھا۔ جسے المجمع الاسلامی مبارک پور والوں نے ان سے لے کر فوٹو کاپی کے بعد اصل انھیں واپس کر دی۔ اس کا پتا لگا کر محفوظ کرنا بھی ایک اہم کام ہے۔

⓬- ملک کی سرکاری اور غیر سرکاری بڑی لائبریریوں میں فتاویٰ رضویہ و حیات اعلیٰ حضرت اور کنز الایمان کی ترسیل و تحفیظ پر توجہ دی جائے۔ یہ بھی ایک اہم کام ہے۔

⓭- انگریزی، ہندی میں سوانح اعلیٰ حضرت (متوسط انداز کی) نہایت ضروری ہے۔

⓮- دائرۃ المعارف امام احمد رضا (خاکہ) از پروفیسر مسعود احمد کی اشاعت بھی ہونی چاہیے، تاکہ حیات اعلیٰ حضرت کی جہتیں اور اہم گوشے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں اور اس کی روشنی میں ہم آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

⓯- مرآۃ التصانیف (علمائے اہل سنت کی تصانیف ایک نظر میں) از مولانا حافظ عبد الستار سعیدی کی اشاعت بھی ایک اہم کام ہے، تاکہ کتابی دنیا میں ہمارے علما کی کوششیں ہمارے علم میں آسکیں، ہمیں ان سے عبرت ہو اور ان کی اشاعت کی فکر بھی۔ واضح ہو کہ مذکورہ کتاب میں پاک و ہند کے اکثر علما کی تصانیف کا اختصار کے ساتھ ذکر ہے، بلکہ کوشش کی جائے تو یہ فہرست اور طویل و ضخیم بھی ہو سکتی ہے۔

⓰- ماہر رضویات، ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمۃ کے جو مضامین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے متعلق دست یاب ہوں، انھیں یکجا ایک یا ئی جلدوں میں شائع کیا جائے۔ انھوں نے اپنی حیات ہی میں یہ سلسلہ جاری کیا تھا اور "آئینۂ رضویات" کے نام سے غالبا

چار قسطیں شائع بھی کرادی تھیں۔اس سلسلے کی تجدید اور اس میں اضافے کا کام اہمیت کا حامل ہے۔کسی ادارے کو اس کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(۱۷)۔مختلف عنوانات کے تحت مضامین رضویات کی اشاعت (غالباً یہ کام فاضل جلیل مولانا علامہ محمد حنیف خاں بریلوی کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس میں انھیں کامیابی عطا فرمائے،آمین)۔

(۱۸)۔خانوادہ اعلیٰ حضرت کی اہم شخصیات پر بھی سوانحی مضامین اور خدمات کا تعارف مرتب ہو کر شائع ہونا چاہیے۔

(۱۹)۔دانشورانِ ہند و بیرون ہند کو اعلیٰ حضرت پر کتابیں فراہم کر کے ان سے تاثرات لینا۔

(۲۰)۔تفصیلی اشاریہ فتاویٰ رضویہ کی اشاعت۔

(۲۱)۔اشاریہ مقالات امام احمد رضا کی اشاعت۔

از: مولانا محمد عبد المبین نعمانی
مہتمم دار العلوم قادریہ،چریاکوٹ

حج کا پیغام اتحاد و مساوات

مکرمی! حج اسلام کے ارکان میں سے ایک عظیم رکن ہے، یہ ان مسلمانوں پر فرض ہے جو کعبہ شریف تک جانے کے لیے مال و زر رکھتے ہوں، فرمان رب ذوالجلال ہے

اور لوگوں کے لیے فرض ہے کہ وہ حج کریں اللہ کی رضا کے لیے جب کہ ان کے پاس زادراہ اور اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہو۔(آل عمران:۹۷)

مزید ایک دوسری جگہ ارشاد خالق کائنات ہے:

اور لوگوں میں حج کا عام اعلان کر دو کہ وہ اپنے اپنے ملکوں سے سواری پر یا پیدل یا جس طور پر ممکن ہو حج کے لیے آئیں۔(الحج:۲۷)

حدیث پاک میں بھی حج کے متعلق پورا ایک باب ہے ہے جس میں کثیر تعداد میں حج کے فضائل اور حج فرض ہونے پر ادا نہ کرنے والے کے لیے وعیدیں موجود ہیں، دو چند حدیثیں ملاحظہ کریں! حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: حج اور عمرہ کرو یہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے ہی مٹا دیتے ہیں جیسے آگ لوہے، سونا اور چاندی کے زنگ اور آلودگی کو ختم کر دیتی ہے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں جو حج مقبول ہو جائے، اس کا ثواب صرف جنت ہے۔(سنن ترمذی: ۸۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا گیا کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔عرض کیا گیا پھر کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں حق کے لیے کوشش کرنا۔پھر سوال کیا گیا، اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ کے لیے حج کرنا۔(صحیح بخاری: ۲۶)

اتنی بات واضح ہو جانے کے بعد یہ سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ حج کا مقصد کیا ہے، حج کے ذریعہ ہمیں کیا پیغام ملتا ہے؟ ارکان حج کن باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟ ان سے ہمیں کیا درس لینا چاہیے؟

اولاً تو یہ بات روز روشن کی طرح ہمیں اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہیے کہ تمام عبادات، روزہ نماز، زکوۃ اور حج کا اولیں مقصد اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے، ریاکاری اور شہرت وغیرہ کی تو اسلام میں کوئی جگہ ہے ہی نہیں، بلکہ جو عبادت دکھاوے کے طور پر ہو اسے شرک خفی کہا گیا ہے اور ایسی عبادت جو ریاکاری پر مشتمل ہو، اس کا قیامت کے دن کوئی اجر نہیں، بلکہ اس ریاکار عامل کو اس کے عمل سمیت دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔اسلام میں جتنی بھی عبادتیں ہیں ان میں ثواب تو ہیں ہی، ساتھ ہی ساتھ مجملہ قوم مسلم تمام اقوام عالم کے لیے درس بھی ہے۔مثال کے طور پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز ادا کی جاتی ہے، ان میں بھی مساوات و اتحاد کی تعلیم رکھی گئی ہے، اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ ایک شخص اپنے علاقہ کا بہت امیر آدمی ہے جب کہ ایک دوسرا آدمی بہت ہی غریب ہے، اس کو فاقہ کشی تک کا سامنا ہے۔امیر شخص اپنے دروازے پر کرسی لگائے بیٹھا ہے تب تک ایک فقیر آتا ہے، کہتا ہے، مجھے اللہ کے نام پہ کچھ دے دو، میں بھوکا ہوں، امیر آدمی نے اس کو چند روپے دے دیے، ادھر نماز کا وقت بھی ہو گیا اور مسجد کا موذن پکارنا شروع کر دیا، آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، فقیر سوچنے لگا میرے رب کی طرف سے کامیابی کی طرف بلایا جا رہا ہے، اس لیے مجھے نماز کی طرف جانا چاہیے، اس لیے مسجد میں پہنچ گیا، دوسری طرف امیر شخص کے کان میں موذن کی آواز پہنچتی ہے، وہ بھی مسجد کی طرف چل پڑتا ہے، دونوں ایک امام کی اقتدا کر رہے ہیں لیکن سجدے میں جہاں فقیر کا پیر ہے وہاں امیر آدمی کا سر ہے، لیکن نہ تو فقیر کو کوئی خوف ہے کہ سب سے دولت مند آدمی کے سر کے پاس میرا پیر ہے، نہ ہی امیر آدمی کو کوئی عار ہے کہ ایک منگتا کے پیر کے پاس میں اپنا سر رکھ رہا ہوں، یہاں پہنچنے کے بعد امیر غریب، چھوٹے بڑے، ادنی اعلی، عجمی عربی کا کوئی فرق نہیں ہے، **(باقی ص:۵۶ پر)**

عالمی خبریں

مسجد النور، ہوسٹن، امریکہ میں حضور تاج الشریعہ کا تعزیتی جلسہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ (USA) کا اہلِ سنت و جماعت کا مرکزی ادارہ ''النور سوسائٹی آف گریٹر ہیوسٹن'' کی مرکزی مسجد ''مسجد النور'' میں مورخہ ۲۸/ جولائی ۲۰۱۸ء/۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ بروز اتوار حضور تاج الشریعہ فقیہ الہند، نبیرۂ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قاضی القضاۃ فی الہند علامہ شاہ الشیخ محمد اختر رضا خاں قادری علیہ الرحمہ متوفیٰ ۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ/۲۰/ جولائی ۲۰۱۸ء جمعۃ المبارکہ) کے سانحۂ ارتحال پر ایک عظیم الشان تعزیتی جلسے کا انعقاد کیا گیا، جس میں مندرجہ ذیل علماے کرام نے شرکت فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن قادری، ڈیلاس، حضرت مولانا مسعود رضا مسجد فلاح، ہوسٹن، حضرت مولانا غلام زرقانی، مکہ مسجد، ہوسٹن، حضرت مولانا عبد الرب، آدم مسجد، ہوسٹن، حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ، النور اسلامک انسٹی ٹیوٹ، ہوسٹن، حضرت مولانا حامد رضا، فیضان مدینہ، ہوسٹن، حضرت مولانا حافظ شاہد احمد رضوی، مسجد قریش، ہوسٹن، حضرت مولانا نذیر عالم، نوری مسجد، ڈیلاس، حافظ و قاری کریم سلطان، لاہور، پاکستان۔ اور زیرِ صدارت مفتی نارتھ امریکہ حضرت علامہ مفتی محمد قمر الحسن قادری خلیفہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ و امام و مفتی مسجد النور مرکز ہوسٹن، جب کہ نظامت کا فریضہ حضرت مولانا عمر شریف استاذ النور اسلامک انسٹی ٹیوٹ ہوسٹن نے انجام دیا۔

عصر کے بعد قرآن خوانی کا سلسلہ شروع ہوا جو مغرب تک چلتا رہا، مغرب کی نماز کے بعد علما کے بیانات و تاثرات کا سلسلہ شروع ہوا۔ پروگرام کا آغاز حافظ و قاری کریم سلطان کی سحر انگیز آواز میں ہوا۔ انھوں نے سورہ رحمٰن شریف کی تلاوت اپنی مترنم آواز میں خاص لب و لہجے میں کی جس سے دلوں پر وحیِ الٰہی کی اثر انگیزی سے خشیتِ الٰہی کی موجیں اٹھیں اور ایک روحانی کیف طاری ہو گیا، پھر حمد باری تعالیٰ کے لیے ہوسٹن کے مشہور نعت خواں جناب ضیا باسط نے کلام الامام، امام الکلام ''تجھے حمد ہے خدایا، تجھے حمد ہے خدایا'' پیش کر کے نذر گزاری۔ مترنم اور دلکش آواز نے لوگوں کو مسحور کر دیا، پھر نعت پاک کے لیے حضور تاج الشریعہ کے مرید محترم جناب سید شاہد علی رضوی کو دعوت دی گئی، انھوں نے استاذ زمن کا کلام ''باغ جنت میں نرالی چمن آرائی ہے'' پیش کر کے بارگاہِ رسالت میں نذر گزاری جو دلوں پر عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نفحات برساتی رہی۔ ابھی دلوں پر سوز و گداز کا اثر باقی ہی تھا کہ مولانا حافظ شاہد احمد رضوی نے حضور تاج الشریعہ کی مشہور نعت ''داغِ فرقتِ طیبہ قلبِ مضمحل جاتا'' پڑھی تو دل تڑپ اٹھا اور ان کے فوراً بعد ہی حافظ و قاری کریم سلطان نے اس کیفیتِ دل کو اور بھی مہمیز لگا دیا۔ حضور تاج الشریعہ کا یہ کلام ''سنبھل جا اے دلِ مضطر مدینہ آنے والا ہے'' سنایا تو سامعین پر سرشاری، لطف انگیزی اور سحر آفرینی دیدنی تھی۔ اس کے معًا بعد مفتیِ نارتھ امریکہ، شاعرِ خوش فکر حضرت قمرؔ بستوی کی تازہ ترین منقبت جو حضور تاج الشریعہ کی شان میں لکھی گئی ہے، کو قاری کریم سلطان نے ایسے خوب صورت لب و لہجے میں پڑھا کہ لوگوں کی آنکھیں نمناک ہو گئیں، ایک ایک شعر تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی زندگی، خدمات اور وجاہت کی تفسیر تھا، ہم تبرکاً پوری منقبت یہاں پیش کر رہے ہیں۔

وارثِ علمِ رضا جاتا رہا — سنیوں کا مقتدا جاتا رہا
حجۃ الاسلام کے دل کا سکوں — نائبِ غوث الوریٰ جاتا رہا
جانشینِ مفتیِ اعظم تھا جو — وہ فقیہِ بے بہا جاتا رہا
وہ کہ جیلانی میاں کا عکس تھا — رضویت کا آئینہ جاتا رہا
جو مکمل علم کی تفسیر تھا — ہاں وہی علم آشنا جاتا رہا
زندگی بھر تھا عزیمت پر عمل — شرع کا وہ پیشوا جاتا رہا
جس کا چہرہ خود دلیلِ معرفت — عارفوں کا رہنما جاتا رہا
پیکرِ علمِ رسولِ پاک تھا — عشق میں ہو کر فنا جاتا رہا

حق بیانی جس کا شیوہ تھا قمرؔ
حیف کہ وہ حق نما جاتا رہا

حافظ کریم سلطان کی نور بار آواز اور حضرت قمرؔ بستوی صاحب کے پر سوز کلام کے بعد حضرت مولانا عبد الرب صاحب نے حضور تاج الشریعہ کی بارگاہ میں نثری نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان میں کارِ افتا دو سو سال سے جاری ہے۔ تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے اسی مشن کو آگے بڑھایا۔ آپ کی رحلت ملتِ

اسلامیہ کے لیے سانحۂ عظیم ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب نے تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں اپنے تاثرات پیش کیے، انھوں نے فرمایا کہ آپ کی رحلت کا غم بیان نہیں کیا جاسکتا، بلکہ دلوں میں اس کو محسوس کیا جاسکتا ہے، آپ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ پر نہیں ہو سکتا۔ فرمایا گیا ہے "موت العالِم موت العالَم" تاج الشریعہ کی وفات پر یہ صد فیصد صادق آتا ہے۔ ان کے مریدوں کی تعداد اس قدر ہے کہ احاطہ کرنا دشوار ہے۔

حضرت مولانا حامد رضا امجدی نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا کہ تاج الشریعہ کے حزم واحتیاط کا یہ حال تھا کہ عصر حاضر میں الیکٹرانک میڈیا کے کسی بھی ایسے ذرائع کو استعمال فرمانے سے گریز کرتے فرماتے جس میں تصویر نمائی کا شائبہ ہوتا۔ تاہم ان کے مریدوں کا حال یہ ہے کہ شرق سے غرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ڈیلاس سے تشریف لائے ہوئے معتبر عالم دین حضرت مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن قادری نے بڑے پر سوز لہجے میں اپنے درد کا اظہار فرمایا۔ حضرت کافی علیہ الرحمہ کا یہ شعر پڑھا۔

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا

آپ نے فرمایا کہ حضور تاج الشریعہ کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ کا وہ نقصان ہے جس کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک آفتاب تھا جو غروب ہوگیا۔ چمنستانِ رضا کا وہ ایسا پھول تھا جس سے پوری دنیا مہک اٹھی۔ وہ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت کے پیکر تھے، وہ اپنے دہر کے بے مثل علامہ تھے۔ آپ نے اپنے قلبی تاثرات کو بیان فرمایا۔

آخر میں صدرِ بزم حضرت علامہ مفتی محمد قمر الحسن قادری خلیفہ حضور تاج الشریعہ نے طویل خطاب کیا اور آپ کی زندگی و خدمات کا احاطہ فرمایا۔ سوز وکرب کے ساتھ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر پیش کیا۔

كل العلوم سوى القرآن مشغلة
الا الحديث و علم الفقه في الدين
العلم ماكان فيه قال حدثنا
وما سوى ذاك وسواس الشياطين

اور فرمایا: حضور تاج الشریعہ کی پوری زندگی اس شعر میں سمٹ آئی ہے۔ ان کی حیاتِ ظاہری کا ایک ایک لمحہ قال الله تعالىٰ، و حدثنا اور قال الفقيه سے تعبیر تھا۔ فرمایا: میں نے امریکہ میں حضرت کی بہت خدمت کی، ان کے شب و روز دیکھے، ان کا مطمحِ نظر دین اور صرف دین تھا، فرمایا کہ ان کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک بار جس سے ملتے اس کا نام نہیں بھولتے تھے۔ اس کی مثالیں دیں اور استشہاد میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر ارشاد فرمایا۔

سكوت الى وكيع سؤ حفظى
فاوصانى الى ترك المعاصى

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت تاج الشریعہ گناہوں سے شدید اجتناب فرماتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان کا حافظہ اتنا قوی تھا۔ نیز فرمایا کہ حضرت کی ذات مرجع علما تھی، آپ امامِ اہلِ سنت سیدی اعلیٰ حضرت کا عکسِ جمیل تھے علم وعمل میں اور سیدی مفتیِ اعظم ہند کا پرتو۔ حزم واحتیاط کا عالم یہ تھا کہ خلافِ شرع امور کو فوراً ٹوک دیتے تھے، وہ اس سے بے نیاز تھے کہ کوئی ان کی تعریف کرے گا یا تنقید۔ زندگی بھر عزیمت پر عمل فرمایا، جب کہ اس دور میں اس پر عمل کرنا کتنا دشوار ہے۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں علما کی کثرت ہے اور چار براعظموں میں آپ کے مریدین اور خلفا کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ایشیا، یورپ، افریقہ اور شمالی امریکہ۔ عربوں میں بھی آپ کے مریدین کی خاصی تعداد ہے۔ الغرض زندگی کے تمام شعبوں پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ آپ کا جانا اتنا سوہانِ روح ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

بعد ازاں صلاۃ وسلام ہوا اور پھر فاتحہ خوانی ہوئی۔ حضرت مفتی نارتھ امریکہ نے دعا فرمائی۔ آپ نے دعا میں خانوادۂ رضویہ کے جملہ افراد کی فلاح کے لیے دعا فرمائی، خصوصاً حضرت تاج الشریعہ کے چشم و چراغ حضرت علامہ مفتی عسجد رضا خان صاحب مد ظلہ العالی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ انھیں وہ بوجھ اٹھانے کی طاقت دے جو حضرت نے اٹھا رکھا تھا اور ان کی تائید غیبی فرمائے اور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے مشن اور کاز کو آگے بڑھانے کا جذبہ عطا فرمائے۔ پھر تبرکات پیش ہوئے اور لوگ فیض یاب ہوئے، شہر سے خاصی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ فالحمد لله على ذلك.☆☆☆

از: محمد قاسم خان، مبلغ کورس النور مسجد مرکز، ہوسٹن، امریکہ

خیر و خبر

دار العلوم قادریہ رحمانیہ، مدھوبنی، میں "ذکر امین شریعت کانفرنس"

ترقیاتی بلاک بسفی کے موضع پوکھر ٹولہ میں واقع، ، مدرسہ دار العلوم قادریہ رحمانیہ، کے وسیع صحن میں مورخہ ۵/ اگست ۲۰۱۸ء بروز پیر ۹/ بجے صبح ایک پروگرام بنام "ذکر امین شریعت کانفرنس" کا اہتمام کیا گیا جس کی سرپرستی خلیفۂ حضور تاج الشریعہ حضرت الحاج ابوالحسنات نوری اور صدارت خلیفۂ حضور امین شریعت حضرت الحاج فاروق احمد مصباحی پرنسپل مدرسہ سلیمیہ چھپرہ۔ حمایت شہزادۂ حضور امین شریعت حضرت مولانا مفتی محمد فیضان الرحمٰن سبحانی ثقافی ازہری، مہتمم الجامعۃ الواجدیہ، دربھنگہ اور نظامت محمد ساجد رضا سمستی پوری نے کی۔

قرآن مجید کی تلاوت سے عزیزم انیس الرحمن مادھوپوری نے جلسہ کا آغاز کیا۔ حافظ غلام سلمان فارسی نے قصیدہ بردہ شریف کے چند اشعار سے فضا کو معطر کیا اس کے بعد کم از کم ایک درجن سے زیادہ شعرا اور مقررین نے جلسہ سے خطاب فرمایا۔ ان میں سے چند کے اسما قابل ذکر ہیں:

شہاب الدین سمستی پوری، ریاض خان دربھنگوی، رضوان دربھنگوی ،شہزادۂ امین شریعت جناب خالد رضا دربھنگوی نے حمد باری تعالیٰ اور نعت پاک ﷺ و منقبت بارگاہ حضور امین شریعت میں پیش کی۔

حضرت مولانا عبد اللہ رضوی اور مولانا تعلیم رضا نوری نے اپنی تقریر میں کہا کہ طویل عرصے بعد بعد دنیا ایسی عظیم شخصیتوں سے فیضیاب ہوتی ہے جن کے کارنامۂ حیات اور زہد و تقویٰ کا قصیدہ تاقیامت پڑھا جاتا رہے گا۔ حضرت مولانا تحسین رضا مصباحی نے کہا کہ حضور امین شریعت علیہ الرحمہ کی ذات کثیر الجہت تھی، بے شمار علوم و فنون کے مالک ہونے ساتھ ساتھ ایک سنجیدہ مبلغ و مخلص عالموں میں آپ کا نام بلند و بالا ہے۔ ان میں ایک عمدہ و بے مثال خصوصیت یہ تھی کہ آپ خود بڑے عالم باعمل ہونے کے باوجود علمائے کرام اور طلبائے عظام کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔

سرپرست جلسہ حضرت مولانا الحاج فاروق احمد مصباحی نے کہا کہ حضور امین شریعت علیہ الرحمہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں آپ عہد حاضر کے عظیم مفسر، معلم، محدث، مناظر، مرشد، فقیہ، متقی و پرہیزگار، اہل سنت و جماعت کے علم بردار تھے۔ اپنی شبانہ روز محنت اور علمی، فکری، عملی، تصنیفی، تحریری، تقریری، کاوشوں کی بنیاد پر آج دنیا میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، ہالینڈ کی سرزمین پر آپ کے مقدس ہاتھوں پر سیکڑوں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ نے ایک عرصہ تک وہاں دار الافتا والقضا میں خدمات انجام دیں جس کا اہم ثمرہ فتاوی یورپ کی شکل میں علما و عوام اہل سنت کے ہاتھ میں موجود ہے۔ یورپ و ایشیا میں آپ کی بارگاہ سے فیض یافتہ علما کا ایک عظیم قافلہ موجود ہے۔

سرپرست اجلاس حضرت مولانا الحاج ابوالحسنات نوری نے کہا کہ روئے زمیں پر ہر روز سیکڑوں انسان جنم لیتے ہیں اور سیکڑوں انسان اس کو خیرباد کہہ جاتے ہیں مگر ان میں کچھ ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنی خوبی و خوش اخلاقی، خلوص للّٰہیت اور اعمال صالحہ کا ایسا انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جنہیں رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا، بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں اہیاری، کمتول، ضلع دربھنگہ میں پیدا ہونے والی ایک پراثر و باوقار شخصیت جنہیں دنیا حضور امین شریعت کے نام سے جانتی و پہچانتی ہے، اب وہ نہیں رہے، لیکن ان کے احوال و افکار اور کارنامۂ حیات کو صبح قیامت تک یاد کیا جاتا رہے گا۔

مہتمم دار العلوم ہذا مولانا ریحان انجم مصباحی نے ان کی تصنیف و تالیف کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اخیر عمر تک قلم و قرطاس سے شغف رکھا۔

مفتی فیضان الرحمٰن سبحانی ثقافی ازہری، مہتمم الجامعۃ الواجدیہ، دربھنگہ، نے کہا کہ میں نے حضور امین شریعت کو جامع کمالات شخصیت پایا جب میں انہیں اساتذہ کے فہرست میں تلاش کرتا ہوں تو ویسا استاذ نہیں ملتا اور جب میں بیٹے کی نگاہ سے دیکھتا ہوں تو ویسا باپ نہیں ملتا۔ آپ نے ذکر امین شریعت کے پروگرام کے انعقاد پر دار العلوم قادریہ رحمانیہ، پوکھر ٹولہ کے مہتمم و اساتذہ اور طلبہ کا تہ دل شکریہ ادا کیا۔

اس پروگرام میں خصوصیت کے ساتھ مفتی محمد فقیہ القمر نعمانی رضوانی، ڈاکٹر شاہد رضا جوہی، مولانا ضمیر الدین قادری، مولانا علی امام نستہ، مولانا عبد القیوم رتھوس، مولانا نیاز احمد رمول، مولانا دانش رضا ثقافی کچھڑا، مفتی نیک محمد ٹکٹار، الحاج محمد مدنی، محمد رضا چشتی ڈائریکٹر (رحمانی اسٹوڈینٹس فیڈریشن)، نبیہ القمر نورانی، قاری قمر الزماں بردی پور مولانا افسر سعدی، قاری سعید حسن و مولانا علی حسین جانی پور و جملہ ائمہ مساجد قابل ذکر ہیں اخیر میں صلاۃ و سلام اور دعا پہ مجلس کا اختتام ہوا۔

پیش کش: محمد فقیہ القمر نعمانی رضوانی،

دار العلوم قادریہ رحمانیہ، بسفی، مدھوبنی (بہار)

ادارہ نشان اختر کے وفد نے جانشین مخدوم ثانی کو الفی قرآن پیش کیا

۲ر اگست ۲۰۱۸ء کو یادگار تاج الشریعہ ادارہ ” نشان اختر“ کی ٹیم نے بزرگ عالم دین جانشین مخدومِ ثانی حضرت علامہ مولانا سید شاہ کمیل اشرف اشرفی جیلانی (کچھوچھہ مقدسہ) سے ممبئی میں ان کی قیام گاہ پر ملاقات کی۔ وفد کی قیادت حضرت مولانا قاری عبد الرشید رحمانی مصباحی (امام مینارہ مسجد ممبئی) نے کی، حضرت نے ادارے کے کارکنان کو بڑی عزت و محبت سے نوازا، مولانا عبد المبین نعمانی نے ان کو الفی قرآن مع کنز الایمان پیش کیا، حضرت نے خوشی کا اظہار کیا، دعائیں دیں اور قرآن کریم، کنز الایمان اور اس کی تفسیر خزائن العرفان کے تعلق سے کی جانے والی اس خدمت کو خوب سراہا۔

واضح رہے کہ الفی قرآن کی ہر سطر الف سے شروع ہوتی ہے، اسے ادارہ نشان اختر نے برسوں کی محنت کے بعد صحیح ترین کنز الایمان کے ساتھ، عمدہ کاغذ پر شائع کیا ہے، جسے دیکھ کر اہل ذوق کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں، دیر تک حضرت اپنے زندگی کے واقعات سناتے رہے، خاص طور سے استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ عبد العزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی شفقتوں کا ذکر فرمایا، اور کہا کہ حضرت حافظ ملت اپنے شاگردوں کی خوب خوب حوصلہ افزائی کرتے تھے اور مجھے تو بہت نوازتے، اکثر اپنے ساتھ دینی جلسوں اور میلاد شریف کی محفلوں میں لے جایا کرتے اور مجھ سے بیان کرواتے، دعائیں دیتے۔

اس ٹیم میں کنز الایمان کی تصحیح کرنے والے مولانا عبد المبین نعمانی، الفی قرآن کے کاتب جناب محمود عبد الحق نوری رقم، محمد محسن مالیگانوی، محمد زاہد دادانی، حافظ محمد تسلیم رضوی صاحبان شامل تھے۔

از: محمد ساجد قادری

(ص: ۵۲ کا بقیہ)... بارگاہ الٰہی میں پہنچنے کے بعد سارے کے سارے مساوی اور ایک ہیں اور اتحاد واتفاق کا بھی مسیج ہے کہ ایک ہی امام کے پیچھے کھڑے اسی امام کی متابعت کررہے ہیں اور یہ عمل ہفتہ یا مہینہ میں نہیں ہوتا ہے بلکہ روزانہ ہی ہوتا ہے ایک دن میں پانچ پانچ بار ہوتا ہے۔ کیا دنیا میں ایسا خوب صورت نظام کہیں اور موجود ہے۔ نہیں ہرگز نہیں، یہ اسلام کی خاصیت ہے جو بلاشک و شبہ سب سے پسندیدہ مذہب ہے۔

اسلام میں اجتماعیت کی بہت اہمیت ہے، عام مسجدوں میں ایک محلہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں، جامع مسجد میں چند محلے کے لوگ جمع ہوتے ہیں، عید گاہ میں پوری بستی کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور حج کے موقع پوری دنیا کے لوگ اکٹھا ہوتے ہیں، یعنی عالمی اجتماع، حج کے موقع پر ہوتا ہے، ارکان میں سے یہ رکن پورے عالم اسلام کو اتحاد و یک جہتی کا درس دیتا ہے، بلکہ بنظر عمیق دیکھا جائے تو حج کے جتنے بھی ارکان و مناسک ہیں وہ محبت و مؤدت، اخوت و انسیت، تحمل برداشت اور امن و آشتی کا پیغام دیتے ہیں، نااتفاقی و تفریق، نفرت و غصہ اور عدم مساوات و تفاوت کو مکمل طور سے مٹانے کا سبق دیتے ہیں۔ اتنے بڑے اجتماع میں ظاہر ہے ایک دوسرے سے تھوڑا بہت مشقت ہوگی، یقیناً آنے جانے کو لے کر پریشانی کا سامنا ہوگا، اس لیے کہ اتنا بڑا ازدحام ہوتا ہے کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی ہے، لیکن حکم یہ ہے حرم مکہ کا لحاظ کرتے ہوئے تحمل و صبر سے کام لیا جائے بدزبانی اور سخت کلامی، فسق و فجور تو عام حالات میں بھی منع ہیں لیکن بطور خاص حج کے اوقات میں انتہائی بڑے گناہ ہیں۔ عمدہ اخلاق کے ساتھ تو انسان کو ہمیشہ پیش آنا ہے لیکن خاص طور سے احرام کی حالت میں ایام حج میں نرمی اور بردباری کا حکم ہے، جب انسان ان عادات واطوار کا پیکر ہوگا تو اختلافات کو جگہ کہاں ملے گی، انسانی معاشرے میں بدنظمی کہاں پیدا ہوگی، سماج میں خرابیاں کہاں جنم لیں گی، بلکہ اس وقت تو امن آشتی کی فضا قائم ہوگی، ماحول خوشگوار ہوگا، لوگ بھی اطمینان کا سانس لیں گے، سکون و قرار نصیب ہوگا۔

افسوس صد افسوس! آج حقیقی تعلیمات و پیغامات کی طرف توجہ کم ہوگئی ہے، ارکان حج سے ملنے والے دروس اسباق سے غفلت اور بے توجہی ہے، فقط ظاہری عیش و تنعم کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے، بس انسان حج سے لوٹنے کے بعد تحائف وغیرہ کی تقسیم پر اکتفا کر بیٹھتا ہے جو اتنے اہم نہیں ہیں جتنے کہ پیغامات۔

آج پوری دنیا کو انہیں پیغامات و تعلیمات کی اشد ضرورت ہے۔ رب ذوالجلال توفیق عطا فرمائے۔ آمین

از: وسیم فاروق اعظمی

اسلامک اسکار، لوساکا، زامبیا (افریقہ)

☆☆☆☆